الاخوان المسلمون

اور

اُن کی دعوت

حسن البنّا شہیدؒ

مکتبہ چراغِ راہ - کراچی

قیمت ۱/۴

الاخوان المسلمون

اور

اُن کی دعوت

شہید راہِ حق حسن البناؒ کے ایک خطبہ کا ترجمہ جو آپ نے
سنہ ۱۹۳۸ء میں الاخوان المسلمون کے پانچویں اجلاس میں دیا تھا

ترجمہ

طٰہٰ یٰسین

رفیق دار العروبہ۔ راولپنڈی

طابع و ناشر

مکتبہ چراغِ راہ

۹۔ لوٹیا بلڈنگ۔ آرام باغ روڈ۔ کراچی ۱

بار اوّل　　جولائی ۱۹۵۲ء　　۲۰۰۰

قیمت :- ایک روپیہ چار آنے

خالد احمد صدیقی پرنٹر پبلشر نے انشا پریس لاہور میں چھپوا کر
مکتبہ چراغِ راہ۔ آرام باغ روڈ کراچی سے شائع کی

فہرس مندرجات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

دو لفظ

"الاخوان المسلمون" کی دعوت اب کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کی دعوت اور طریق کار کی تفصیلات مناسب طریقہ پر اردو میں پیش کی جائیں۔ دارالعروبہ اور اس کے کارکنوں کو اس سلسلے میں اپنے فرض کا پورا احساس ہے۔ اور اس کی انجام دہی ہمارے پروگرام میں داخل ہے۔

زیر نظر رسالہ، حسن البنّا مرحوم کے ایک اہم اور تاریخی خطبے کا ترجمہ ہے اصل خطبہ کے متعلق کچھ عرض کرنا آفتاب کو شمع دکھانا ہے۔ البتہ ترجمہ کے متعلق اتنا عرض کرنا بے موقع نہ ہوگا، کہ مترجم نے یہ کام راقم کی نگرانی میں اور اس کے مشورے سے انجام دیا ہے، اور اصل سے ترجمہ کا جا بجا سے مقابلہ کر کے راقم نے اس کی صحت کے متعلق بھی اطمینان کر لیا ہے۔ کہیں کہیں ضروری حواشی بھی بڑھا دیئے گئے ہیں۔ معلومات راقم نے فراہم کی ہیں۔ الفاظ مترجم کے ہیں۔

ہمیں اللہ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ یہ رسالہ مقبول ہوگا، اور اس سے الاخوان کی دعوت — جو عین اسلام ہے — کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

دارالعروبہ۔ راولپنڈی　　　　عاجز:۔ مسعود عالم ندوی

عرضِ مترجم

بیسویں صدی اگرایک طرف اخلاقی و دینی اعتبار سے تنزل و انحطاط کی آخری حد معلوم ہوتی ہے تو دوسری طرف غالباً اس کے ردّ عمل کے طور پر اسی صدی میں دو ایسی جان دار اسلامی تحریکیں اُٹھیں، جو تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ میری مراد برّصغیر ہند و پاکستان کی "جماعت اسلامی" اور مصر کی جماعت "الاخوان المسلمون" سے ہے۔ جو اب مصر سے بڑھ کر پورے عربستان میں اپنا اثر پھیلا چکی ہے۔

جماعت اسلامی اپنے وسیع لٹریچر اور پچھلی اٹھارہ سالہ جد و جہد کے نتیجہ کے طور پر اُردو داں طبقہ میں اب غیر متعارف نہیں رہی۔ جماعت "الاخوان المسلمون" اگرچہ اپنے مرشد عام حسن البنّاؒ کی شہادت کے بعد سے کافی شہرت پذیر ہو چکی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے اصول و مقاصد کا تعلق ہے، اُردو داں طبقہ اس سے کم ہی واقف ہے۔ بعض اخبارات اور رسالوں میں کچھ ترجمے اور مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ اس مقصد کے لیے ناکافی ہیں۔ الاخوان کی بعض مطبوعات کے ترجمے کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ جس سے اس کی دعوت کا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے، لیکن اردو داں طبقہ کو اس سے کچھ زیادہ کی ضرورت ہے۔

پیش نظر کتاب حسن البنّا مرحوم کے اس جامع خطبہ کا ترجمہ ہے، جو آپ نے جماعت الاخوان کے پانچویں اجلاس میں دیا تھا۔ جو الاخوان کی تاسیس کے ٹھیک دس سال بعد سنہ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں منعقد ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ یہ خطبہ الاخوان کے سابق آرگن مجلۃ النذیر کے پہلے سال کے پینتیسویں شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد سنہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء میں رسالہ المؤتمر الخامس کے نام سے مصر سے شائع ہوا اور اب الاستاذ محمد خیر حسن العرقسوسی کے زیر نگرانی سلسلۃ الآثار الامام کے تحت خطبات کی پہلی کڑی کے طور پر کیف نفھم الاسلام کے نام سے دمشق سے شائع کیا گیا ہے۔ الاخوان کے تعارف کے لیے ہم نے سب سے پہلے اس کو اس لیے منتخب کیا کہ اس میں صرف عام دعوت کو ہی پیش نہیں کیا گیا، بلکہ الاخوان کی مختصر سی ابتدائی تاریخ، ان کے طریق کار اور مختلف سیاسی مسائل میں ان کے نقطۂ نظر کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ الاخوان کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب کافی مفید ثابت ہو گی۔

پہلی کوشش کی حیثیت سے ہو سکتا ہے کہ ترجمہ میں خامیاں اور کمزوریاں رہ گئی ہوں۔ بزرگوں اور احباب نے غلطیوں اور لغزشوں پر مطلع فرمایا تو باعث امتنان ہو گا اور ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی کوشش کی جائے گی۔

الاخوان المسلمون کے واسطے سے اگر ناظرین نے اسلام کی حقیقت کو سمجھا اور اس سلسلے میں اپنے فرائض کا احساس کیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت

ٹھکانے لگی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

دارالعروبہ۔ راولپنڈی — عاجز

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ — ظ انصاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تمہید

ایھا الاخوان! میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ ہم زبان سے کچھ کہنے کے بجائے صرف کام کیے جائیں اور ہماری کارکردگی ہی اخوان اور ان کی رفتار کار کی ساری وضاحت کر دے۔ اس لحاظ سے میرے نزدیک یہ بہتر تھا، کہ آپ ایک عظیم مقصد کی راہ میں اپنی دس سالہ کوششوں کے بعد، آئندہ قدم اٹھانے کے لیے اس وقفہ کے بجائے، خاموشی اور سکون کے ساتھ اپنا کام جاری رہنے دیتے اور پچھلی جدوجہد کو اس فاصل سے گھیر کر آئندہ کے مراحل جہاد کو اس سے علیحدہ نہ کیا جاتا۔

لیکن آپ نے چاہا، کہ ایسے ایک اجتماع سے سعادت اندوز ہونے کا موقع ہمیں مل ہی جائے۔ بہر حال اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ میں اس پر آپ کا شکر گذار ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس قیمتی موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ہم اپنا آئندہ پروگرام بنائیں، اپنے پچھلے کاموں کا جائزہ لیں، مراحل کار کو پوری طرح جانچ لیں، اور اپنے مقصد اور طریق عمل کا کامل وضاحت سے تعین کر لیں تاکہ فکر کے مبہم گوشے واضح ہو جائیں، کہیں نقطۂ نظر کی غلطی ہو تو

اس کی تصحیح ہو جائے، نامعلوم مرحلے علم کی روشنی میں آجائے، سلسلہ دعوت کی پوری کڑیاں مکمل ہوں اور لوگ الاخوان المسلمون کی دعوت کو پوری حقیقت کی روشنی میں بغیر کسی شائبہ التباس کے جان لیں۔

اس موقع پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن تک یہ دعوت پہنچی ہے، یا جنہوں نے اسے سنا یا پڑھا ہے، وہ ہمارے مقصد، طریقِ عمل اور رفتار کے بارے میں اپنی رائے سے ہمیں مطلع کریں، تاکہ ان کی صحیح راستے سے ہم فائدہ اٹھا سکیں اور ان کے مشوروں سے حق کو پائیں۔ اس لیے کہ دین، اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، ائمہ اسلام کے لیے اور بالجملہ تمام مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے۔

ایھا الاخوان! مجھے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ آپ حضرات کے درمیان میرے اس مقام نے مجھے جو سعادت و خوش بختی بخشی ہے، اس پر میں کسی قسم کا ہدیۂ تشکر پیش کروں۔ یا آپ حضرات کی ملاقات نے مجھے جو خوشی و مسرت کی دولت دی ہے۔ ان رفاقتوں نے مجھے جو کامیابی کی امیدوں سے مالا مال کر دیا ہے اور اللہ کے فضل و توفیق سے آپ نے جو دعوتِ حق کو اپنا لیا ہے، میں ان پر اپنی ممنونیت کا اظہار کروں۔

مَیں اپنے آپ کو بالکل مستغنی پاتا ہوں، اور یہ ان عواطف کا فیض ہے جن سے آج کے اس اجتماع کی ساری فضا معمور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول کی ایک ایک چیز گہری محبت، کامل ہم آہنگی، مکمل تعاون اور سچی اخوت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیقِ خیر دے۔ اور اپنی پسندیدہ راہوں پر چلائے۔

جماعت الاخوان کی تاسیس

تاریخ کا سرسری جائزہ

ایھا الاخوان الکرام ! مَیں نے کافی مطالعہ کیا، بہتیرے تجربے اٹھائے، مختلف طبقات کے لوگوں سے ربط ضبط کا موقعہ ملا اور متعدد واقعات و حوادث دیکھے اور اس مختصر مدت کے گوناگوں تجربوں کے نتیجے میں میرا یہ پختہ اور غیر متزلزل عقیدہ ہوگیا کہ: "سعادت و کامیابی جس کے سارے انسان متلاشی ہیں، انسان سے خارج کوئی چیز نہیں، بلکہ خود اس کے دل سے پھوٹتی اور اس کے ضمیر کے سوتوں سے نکلتی ہے۔ اسی طرح انہیں گھیرنے والی شقاوت و نامرادی بھی جس سے وہ بھاگتے ہیں، خود ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور ان کی اپنی جانیں ہی اس کا سبب ہوتی ہیں۔ قرآن کریم ان ہی معنی کی تائید کرتے ہوئے یوں اس کی وضاحت کرتا ہے:

ان اللہ لا یغیر ما بقوم	اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی
حتیٰ یغیروا ما بانفسھم	حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود
(الرعد)	اپنے آپ کو نہ بدل لیں۔

پھر کسی شاعر کا یہ قول دیکھیے۔ فلسفہ اجتماع کے سلسلے میں کتنی گہری بات

وہ کہہ گیا ہے:۔

لعمرك ماضاقت بلادٌ باھلھا
ولکن اخلاق الرجال تضیّق

"سچ یہ ہے کہ شہر کچھ اپنے رہنے بسنے والوں کی زیادتی کی وجہ سے
تنگ نہیں ہوجاتے۔ بلکہ یہ لوگوں کے اخلاق کی خرابیاں ہوتی ہیں
جن کی وجہ سے زمین باوجود اپنی وسعتوں کے تنگ ہوجاتی ہے"

میرا اس حقیقت پر پورا پورا اعتقاد ہے، اور میں اس پر مکمل یقین رکھتا ہوں۔ ساتھ ہی میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ" اسلام حنیف کی فطری تعلیمات اور اس کے واضح اور عملی نظامِ حیات کے مقابلہ میں کوئی دوسرا ایسا نظامِ حیات نہیں جو نفوسِ انسانی کو اس سعادت سے ہم کنار کرے، اور ان کے سامنے اس کا واضح عملی راستہ رکھے"

ان تعلیمات کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ کسی دوسرے مناسب موقعہ پر اس کو واضح کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے میں ہم سب ہی اس نظریہ کی صحت کے قائل ہیں۔ بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی ایسے ہیں جو اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام کی خوبیوں اور کمال کا انہیں اعتراف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب سے مَیں نے ہوش سنبھالا ہے، اسی ایک مقصد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے کہ لوگوں کو

حقیقی اور عملی اسلام کی طرف بلایا جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ الاخوان المسلمون کی فکر، مقصد اور وسیلہ دونوں میں اسلامی اور صرف اسلامی ہے۔ غیر اسلام سے اسے ذرہ برابر بھی کوئی لگاؤ نہیں۔

میرے یہ خیالات عرصے تک میرے اپنے دل کی باتیں بنی رہیں، یہ میری روح مضطر کی مناجاتیں تھیں اور میں اپنے ہی آپ سے یہ سب کچھ کہا کرتا تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ اپنے اطراف کے بہت سے لوگوں میں یہ باتیں پھیلائیں۔ اور اس طرح اس فکر نے انفرادی دعوت کی شکل اختیار کر لی اور یہ خیالات وعظ و تقریر کی صورت میں اشاعت پذیر ہونے لگے۔ کبھی موقع ہوتا یا ذی علم احباب کی ترغیب ہوتی۔ جہل کی اندھیریوں میں بھٹکتی دنیا کو اسلام کی روشنی میں لانے کی کوششوں کو وہ سراہتے اور میری ہمت بندھاتے تو مساجد میں درس بھی دیا جاتا۔

اس کے بعد مصر اور دوسرے اسلامی ممالک میں متعدد ایسے واقعات ہوئے، جنہوں نے میرے جذبات کو ہوا دی۔ دل میں خوابیدہ احساساتِ غم جاگ اُٹھے اور میں نے عملی اقدام کی اشد ضرورت کو محسوس کیا۔ میں نے جانا کہ لوگوں کو پوری طرح صورتِ حال کا احساس دلانے کے بعد ایک تعمیری اقدام کی ضرورت ہے یا ضرورت ہے کہ ان میں اس کا شعور پیدا کر کے اس کام کو مستحکم کیا جائے۔ میں آپ کے سامنے ان واقعات کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ ان کا کام ہو چکا۔ ان کے آثار مٹ چکے اور ان کے کرتا دھرتا پوری طرح یا کسی

حد تک راہ ہدایت پر آ چکے۔

مَیں نے کئی ایک اکابرِ قوم سے عملی جدوجہد اور تعمیری اقدام کی ضرورت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ کبھی مجھے مطلقاً ناامید کیا جاتا، کبھی کچھ ہمت بندھتی، اور کبھی توقف کا مشورہ دیا جاتا۔ لیکن عملی جدوجہد کے لیے جو اہتمام مَیں چاہتا تھا۔ وہ مَیں نے کہیں نہیں پایا۔ وفاناشناسی ہوگی اگر اس مقام پر مَیں مرحوم احمد پاشا تیمور کا ذکر نہ کروں ـــ اللہ انہیں جنت ماوے کی کشادگی دے ـــ مَیں نے جب بھی انہیں دیکھا مجسم عزم وہمت اور پیکرِ غیرت وشجاعت پایا۔ اور جب بھی قوم کے عام حالات پر ان سے گفتگو کی، ان میں کامل فہم وبصیرت، مکمل استعداد وصلاحیت اور بڑی باریک بیں نظر محسوس کی، اور انہیں ہمیشہ آمادۂ عمل پایا ـــ اللہ ان پر رحمت کی بارش کرے اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

اس کے بعد اخلاص ومحبت اور احساسِ فرض وجہد طلب کی ہم آہنگی نے مجھے اپنے مخلص احباب کی طرف متوجہ کیا، اس طرح مَیں نے بڑی اچھی صلاحیتیں پائیں۔ ان میں سب سے زیادہ میرے فکر وعمل کے رفیق اور ہمت ور ومستعد احمد آفندی سکری، مرحوم شیخ حامد عسکریہ، شیخ احمد عبدالحمید اور کئی ایک دوسرے تھے۔

ہمارا یہ پختہ عہد وپیمان تھا کہ ہم میں سے ہر ایک اس مقصد وغایت کے لیے مسلسل کام کرتا رہے، یہاں تک کہ پوری رائے عام ایک صالح اسلامی

نقطۂ نظر کی طرف مائل ہو جاتے۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم نے کتنی راتیں قوم کی عام حالت اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کی موجودہ پستی پر غور و فکر میں گذار دیں۔ امراض و علل کی تشخیص کی، علاج کی تدبیریں سوچیں اور شدتِ تاثر سے رو رو دیا۔

ہمیں بڑا ہی تعجب ہوتا۔ جب ہم یہ دیکھتے کہ ایک طرف تو ہم پورے خلوص اور بے نفسی کے ساتھ ان کاموں میں لگے ہیں اور دوسری طرف دنیا کے سارے کاموں سے فارغ اور نشہ غفلت کے متوالے قہوہ خانوں اور بدکاری کے اڈوں کے چکر لگا رہے ہیں۔ اگر تم ان میں سے کسی سے پوچھو کہ آخر اس بے فائدہ بیٹھک کا مقصد کیا ہے تو وہ پوری بے باکی سے تمہیں جواب دیگا کہ "میں وقت کاٹ رہا ہوں"۔ غریب اتنا نہیں سمجھتا کہ جو وقت کاٹتا ہے وہ خود اپنی زندگی کے درخت پر تیشہ چلاتا ہے۔ اس لیے کہ "وقت ہی زندگی ہے"۔

ہمیں ان لوگوں پر بڑی حیرت ہوتی خاص طور پر جب ہم یہ دیکھتے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو شائستہ اور مہذب ہیں اور جن کا ہم سے بڑھکر یہ فرض تھا کہ اصلاح قومی کے اس فرض کو اپنے کندھوں پر لیتے۔ پھر ہم آپس میں ایک دوسرے سے کہتے: "یہ ہماری قوم کی شاید سب سے بڑی اور سب سے خطرناک بیماری ہے کہ اسے نہ اپنے مرض کا احساس ہے، نہ علاج کی فکر۔ بہر حال ایسی ہی بیماریوں کا ہمیں علاج کرنا ہے اور ان ہی خرابیوں کی

اصلاح کے لیے ہم نے اپنے آپ کو وقف کردیا ہے۔"

اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی طرف بلانے والوں اور دین کے خدمت گزاروں میں سے بنایا اور اس نسبت سے ہمیں مفتخر کیا ـــ ہم یوں ہی کام کرتے رہے، یہاں تک کہ زمانہ کی گردش نے ہم چاروں کو ایک دوسرے سے جدا کردیا۔ احمد آفندی سکری محمودیہ میں مقیم ہو گئے۔ مرحوم حامد عسکریہ زنقازیق چلے گئے۔ احمد عبدالحمید نے کفر دوار میں اپنا ٹھکانا کر لیا اور میں اسماعیلیہ میں کسی شاعر کا یہ شعر دہراتا رہ گیا ؎

بالشام اھلی وبغداد الھوی وانا

بالرقمتین و بالفسطاط جیرانی

(شام میں میرے اہل وعیال چھوٹے۔ بغداد میں میرا دل رہ گیا میں خود رقمتین میں ہوں اور فسطاط میں میرے پڑوسی ہیں۔)

اسماعیلیہ میں اس فکر کی ابتدائی تخم ریزی کی گئی۔ "الاخوان المسلمون" کے نام سے مختصر سی جماعت بنی، جو اس فکر کی علم بردار تھی اور جس نے اس مقصد کے لیے پوری پوری کوششیں صرف کرنے کا اللہ سے پختہ عہد باندھا تھا۔ یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ ہجری کا ہے۔

الاخوان المسلمون کا اسلام

اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے سامنے "الاخوان المسلمون کے اسلام" کی وضاحت کروں۔ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ الاخوان المسلمون کا اسلام اس اسلام سے کچھ الگ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں مسلمانوں نے اسلام کے ساتھ اپنی طرف سے متعدد تعریفات وخصائص اور حدود ورسوم کے ایسے پیوند لگا دیئے، جن سے اسلام کی اشاعت کو سخت دھکا پہنچا۔ نتیجۃً اسلام کے معنی میں زبردست اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہر مسلمان کے نزدیک اسلام کی ایک خاص شکل ہو گئی، جو یا تو اس اسلام سے جس کا بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول رضی اللہ عنہم نے پیش کیا تھا مطابق یا کسی قدر قریب ہوتی یا اس سے اس کو کوئی علاقہ ہی نہ ہوتا۔

بعض مسلمان آپ کو ایسے ملیں گے جو اسلام کو بس ظاہری عبادات میں محدود مانتے ہیں۔ اگر وہ انہیں ادا کر لیتے ہیں یا کوئی دوسرا انہیں ادا کرتا ہے تو ان کے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے۔ اور وہ ایسے شخص کو اسلام کے مغز کو پا جانے والا سمجھتے ہیں۔ عامۃ المسلمین اسلام سے یہی معنیٰ مراد لیتے ہیں۔

بعض وہ ہیں جو اسلام کو اخلاقِ فاضلہ اور روحانیتِ تامّہ کے سوا

اور کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام عقل و روح کی بہترین فلسفیانہ غذا ہے اور مادی زندگی کی ساری آلائشوں سے مکمل دُوری کا نام اسلام ہے۔

بعض ایسے ہوں گے جو اسلام کے عملی اور تحریکی پہلو کی پسندیدگی اور زبانی تعریف و توصیف سے آگے نہیں بڑھتے۔ اس کے علاوہ کسی اور پہلو کی طرف نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ غور کرنا چاہتے ہیں۔

بعض اسلام کو ایک موروثی اور تقلیدی چیز سمجھتے ہیں جس کا موجودہ زندگی کی دوڑ میں نہ کوئی مصرف ہے اور نہ فائدہ، اس لیے وہ اسلام پر اور ہر اس چیز پر جس کا اسلام سے کوئی تعلق ہو بہت ہی ناک بھوں چڑھاتے ہیں اس قسم کی باتیں آپ اُن لوگوں میں زیادہ پائیں گے جو فرنگی تہذیب و ثقافت میں رنگے گئے ہیں جنہیں اسلام کی حقیقتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ اسلام کی حقیقت سے وہ یکسر ناآشنا ہیں۔ اور اگر کچھ جانتے بھی ہیں تو اس کی وہ بگڑی ہوئی صورت جس کا نمونہ موجودہ غلط رو مسلمانوں کی عملی زندگی میں ملتا ہے۔

یہ اور اسی قبیل کے اور بھی کئی گروہ ہیں جو اسلام کے بارے میں اپنا ایک مخصوص نقطہ نگاہ رکھتے ہیں اور یہ نقطہ ہائے نظر آپس میں کم و بیش مختلف و متفاوت ہیں بہت کم ہیں جنہوں نے اسلام کو اس کے مکمل اور ہمہ گیر معنوں میں لیا ہے جس کے اندر ساری متذکرہ قسمیں آجائیں۔

اسلام کے بارے میں اسی اختلاف فکر کا نتیجہ ہے کہ الاخوان المسلمون اور اس کی

فکر کو سمجھنے میں بڑی غلطیاں ہوتی ہیں اور مختلف قسم کے خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں بعض
ایسے ہیں جو الاخوان المسلمون کو "وعظ و تبلیغ کی ایک جماعت" سمجھتے ہیں جس کا مقصد بس
یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں آخرت کی یاد تازہ کر کے انہیں
دنیا سے بے رغبت کر دے بعض ایسے ہیں جو اسے ایک "صوفیانہ مسلک" سمجھتے ہیں جو
لوگوں کو ذکر کے طریقوں اور عبادت کے فن کی تعلیم دے، اور زہد و گوشہ گیری کی دوسری
قسمیں بتلائے بعض ایسے ہیں جو اسے ایک "خاص فقہی مسلک رکھنے والی جماعت" قرار
دیتے ہیں جس کی ساری تگ و دو چند خاص احکام کی حد تک محدود ہو اور یہی چند احکام
اس کی ساری جد و جہد کا محور ہوں، جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دے، جو نہ مانیں
ان سے جدل و مناظرہ کرتی رہے اور کسی سے مصالحت ہو تو انہیں فروعات کی
بنیاد پر ہو۔ اکثریت ایسے ہی مختلف الخیال لوگوں کی ہے اور بہت کم ایسے ہیں
جنہوں نے الاخوان المسلمون کو اندر سے دیکھا ہے اور ان کے ساتھ رہ کر انہیں جانچا
ہے۔ انہوں نے نہ سنی سنائی باتوں پر بھروسہ کیا اور نہ اسلام کے بارے میں اپنے مخصوص
نقطۂ نظر کو ہی الاخوان کے سر منڈھ دیا۔ بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اور علمی اور
عملی پہلو سے اس کی دعوت کو جانا ہے۔

اسی لیے میں آپ کے سامنے مختصر طور پر اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں
کہ الاخوان کے نزدیک اسلام کے کیا معنی مراد ہیں اور ان کے قلوب میں وہ کس صورت
میں جاگزیں ہے۔ تاکہ وہ بنیادی بات واضح ہو جائے جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں
جس کے دامن سے وابستگی اور جس کی خوشہ چینی ہمارے لیے باعث فخر ہے۔

(۱) ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی تعلیمات زندگی کے رہبانی یا عباداتی شعبے کی حد تک ہیں اور دوسرے شعبہ ہائے حیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی، وطن بھی ہے اور نسل بھی، دین بھی ہے اور حکومت بھی۔ روحانیت بھی ہے اور عمل بھی۔ قرآن بھی ہے اور تلوار بھی۔

قرآن مجید ان ساری چیزوں سے بحث کرتا ہے، ان ساری چیزوں کو اسلام کے اصول و مبادی سے شمار کرتا ہے اور ان ساری چیزوں کے بارے میں حسن عمل کا حکم دیتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔

وابتغ فیما اتاك الله الدار الآخرة ولا تنس نصیبك من الدنیا واحسن كما احسن الله الیك۔ (القصص)	اور جو تجھکو اللہ نے دیا ہے اس سے کمالے۔ پچھلا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے۔

عقیدہ اور عبادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول آپ قرآن مجید میں پڑھتے ہیں اور اپنی نمازوں میں حسب موقعہ دہراتے بھی رہتے ہیں:۔

وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰة ویؤتوا الزکوٰة وذلك	اور ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے بندگی ابراہیمؑ کی راہ پر اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور

دین القیمہ ۔ (البینۃ) یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی ۔

حکم وقضا اور سیاست کے بارے میں آپ کو یہ قول ملتا ہے :۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔ (النساء)

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے ۔

قرض اور تجارت کے امور اللہ کے اس قول میں آپ پاتے ہیں :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ

اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہیے کہ لکھ دے اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے

رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ
اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَ
لَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا
اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ
اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا
اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ
وَّلَا شَهِيْدٌ ۔ (البقرہ)

یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلا دے کارگزار اس
کا انصاف سے اور گواہ کر دو دو شاہد اپنے
مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک
مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ جن کو
تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے
ان میں سے ایک تو یاد دلا دے اس کو دوسری
اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں
اور کاہلی نہ کریں اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو
معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک اس میں پورا
انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت
درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک
ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں
ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ
گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو اور گواہ کر لیا کرو
جب تک سودا کرو اور نقصان نہ کرے
لکھنے والا اور نہ گواہ ۔

جہاد و قتال کے سلسلے میں یہ آیت آپ کی رہبری کرتی ہے ۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ

اور جب تو ان میں موجود ہو اور نماز کھڑی

لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ
مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا
اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا
مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ
اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ
وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ
وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ
اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ
عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ
اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ
وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ۔ (النساء)

کرے ان کے لیے تو چاہیے کہ ایک جماعت
ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے
لیویں اپنے ہتھیار، پھر جب یہ سجدہ کریں تو
ہٹ جائیں تیرے پاس سے اور آئے
دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی۔
وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیویں
اپنا بچاؤ اور ہتھیار۔ کافر چاہتے ہیں کسی طرح
تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے
تاکہ تم پر حملہ کریں یکبارگی۔ اور تم پر کچھ گناہ
نہیں اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار
ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے
لو اپنا بچاؤ۔

اسی طرح کی اور سینکڑوں آیتیں آپ کو ملیں گی جو ان ہی مسائل اور ایسے ہی دوسرے عام اخلاق اور اجتماعی زندگی کے امور پر مشتمل ہوں گی۔

الاخوان نے قرآن کی طرف رجوع کیا، اس سے ہدایت چاہی اور اس بات کا پوری طرح یقین حاصل کر لیا کہ اسلام سے دراصل یہی کامل اور جامع معنی مراد ہیں۔ اسلام دراصل وہی اسلام ہے جو زندگی کے سارے شعبوں اور اس کے تمام مسائل کو محیط ہو۔ اور سارے ہی گوشوں کو اپنے رنگ میں رنگ

دیتا ہو۔ اگر مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہونا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس کے ہر حکم کو مانیں۔ اس کے سارے قواعد اور تعلیمات کو اپنائیں اور اپنے ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کریں۔ اگر وہ صرف عبادات کی حد تک اسلام کے پابند ہوں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں تو ان کا اسلام ناقص ہے اور ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرہ)

تو کیا مانتے ہو بعض کتاب میں سے اور نہیں مانتے بعض کو سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جائیں سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

(۲) اس کے ساتھ الاخوان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ تمام اسلامی تعلیمات کی اساس اور اس کا سرچشمہ "اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔ اگر قوم ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو نہ وہ کبھی گم راہ ہو اور نہ سیدھی راہ سے بھٹکے۔ حال یہ ہے کہ بہت سے اسلامی علوم و آراء اور وہ علوم جنہوں نے اسلام کا اثر قبول کیا تھا۔ اپنے اپنے زمانوں اور اپنی معاصر قوموں کے اثرات قبول کر کے کچھ کا کچھ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ

اسلام کے نظام ہائے حیات کو اسی چشمۂ صافی سے سیراب کیا جائے، جس کو ہم قرونِ اولیٰ کی فطری سادگی کا چشمہ کہیں گے۔ ضرورت ہے کہ اسلام کو اسی طرح سمجھا جائے جس طرح صحابہ وتابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین سمجھتے تھے۔ ہم بس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے حدود واحکام پر رک جائیں۔ اس کے علاوہ کسی خاص دور کے حالات واحکام کو اپنے دور پر مسلط نہ کریں جب کہ اسلام سے اس کا بنیادی علاقہ نہیں۔ اس لیے کہ اسلام انسانیت کی ہر زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے والا جامع اور مکمل دین ہے۔

(۳) پھر اخوان المسلمون اس بات پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسلام دین کے پورے مفہوم کے لحاظ سے زندگی کے سارے ہی شعبوں پر مشتمل ہے۔ اس کی دعوت ساری قوموں کے لیے، ہر زمانے اور ہر دور کے لیے ہے۔ وہ ایک مکمل اور اعلیٰ طریقِ زندگی ہے، جو زندگی کی اور خاص طور پر دنیوی امور کی جزئیات سے تعرض کرنے کے بجائے، ہر شعبے کے لیے چند اساسی قواعد دیتا ہے۔ اور یہ بتا دیتا ہے کہ کس طرح انہیں حالات پر منطبق کرنا چاہیے۔ اور اس انطباق کے عملی حدود کیا ہیں۔

اس غرض کے لیے کہ ہم اس تطبیق میں راہ حق وصواب کو پائیں، یا کم از کم صحیح طور پر یہ فیصلہ کر سکیں کہ اقرب الی الصواب کونسی رائے ہو سکتی ہے، اسلام نے نفسِ انسانی کے علاج کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ اس لیے کہ نفس ہی ہے جو

کسی کام کو بناتا اور بگاڑتا ہے اور یہی اسلام کے فکر و عمل کی بنیاد ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس کے لیے ایسی زود اثر دوائیں تجویز کی ہیں جو اسے حرص و ہوا سے پاک کریں، خود غرضی کی آلائشوں کو دھودیں، اسے مرتبہ فضیلت و کمال کی طرف لے جائیں اور ہر کوتاہی اور قصور پر اسے ٹوکتے رہیں۔ اس طرح جب نفس انسانی درست اور پاک ہو جائے تو اس سے صادر ہونے والے سارے کام بھی آپ سے آپ درست ہو جائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ عدل و انصاف قانون کے الفاظ میں نہیں بلکہ فیصلہ کرنے والے کے دل میں ہوتا ہے۔ اگر ایک مکمل اور عادلانہ قانون بھی کسی نفس پرست اور غرض مند جج کو دیا جائے تو وہ اس کی بڑی ہی ظالمانہ تاویل کرے گا جس میں عدل کا کوئی شائبہ بھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک ناقص اور ظالمانہ قانون بھی کسی بے لوث اور نفسانی اغراض سے پاک جج کو دیا جائے تو وہ اس سے ایک عادلانہ فیصلہ کرے گا جس میں سراسر عدل و رحمت ہو۔ یہاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام نے کیوں نفس انسانی کے بارے میں اتنا زیادہ اہتمام برتا ہے۔ اور کیوں قرونِ اولیٰ کے مسلمان، جن کے نفوس کو اسلام نے جلا دی دی تھی، انسانی کمال کا صحیح نمونہ تھے۔

اسلام کی یہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس کا مزاج ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر مقصد و غایت کے لیے سازگار رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کسی صالح نظام کے استفادہ سے پہلو تہی نہیں کی بشرطیکہ یہ اس کے

قواعد کلیہ اور اصولِ عامّہ سے متعارض نہ ہوتے ہوں۔

میں نہیں چاہتا کہ اس بحث کو اور طویل کروں۔ ورنہ یوں یہ ایک وسیع مبحث ہے۔ الاخوان المسلمون کی اسلامی فکر کو واضح کرنے کے لیے یہ اجمالی خاکہ بڑی حد تک کافی ہے۔

ہماری فکر کی جامعیت

اسلام کے بارے میں ایسی جامع اور ہمہ گیر تصور کا نتیجہ ہے کہ الاخوان المسلمون قوم کی مکمل اور ہمہ جہتی اصلاح کا پروگرام اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ ہر اصلاحی فکر کے اچھے اجزا کے لیے ان کی فکر میں جگہ موجود ہے، اور ہر وہ شخص جو دیانتداری اور خلوص کے ساتھ قوم کی اصلاح چاہتا ہے، اس میں اپنے مطلوب کو پاتا ہے۔ سارے اصلاح پسندوں نے جنہوں نے الاخوان المسلمون کو سمجھا ہے اور اس کے اغراض و مقاصد کو جانا ہے، اس کو اپنی امیدوں کا مرکز اور تمناؤں کی غایت مانا ہے۔

لہٰذا آپ بغیر کسی پس و پیش کے کہہ سکتے ہیں:

(۱) الاخوان المسلمون ایک "سلفی دعوت" ہے، اس لیے کہ یہ اسلام کی ابتدائی صورت کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور کتاب اللہ اور سنت رسول کے اصل سرچشموں کی طرف بلاتے ہیں۔

(۲) الاخوان المسلمون ایک "طریقۂ سنیت" ہے، اس لیے کہ یہ اپنے آپ کو زندگی کے تمام معاملات میں اور خاص طور پر عقائد و عبادات میں حتی الامکان سنتِ مطہرہ کا پابند بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) الاخوان المسلمون ایک "حقیقتِ تصوف" ہے، اس لیے کہ ان کے

خیال میں نیکی کی بنیاد طہارتِ نفس، صفائی قلب، پیہم عمل، مخلوق سے بے نیازی
اللہ کی راہ میں محبت اور خیر کی راہ میں ربط و وابستگی ہے۔

(۴) الاخوان المسلمون ایک "سیاسی جماعت" ہے، اس لیے کہ وہ
حکومت سے ایک طرف تو داخلی امور میں اصلاح کا مطالبہ کرتے ہیں اور
دوسری طرف خارج میں مسلمان قوموں کے ساتھ، دوسری قوموں سے بڑھ کر
خصوصی ربط پر زور دیتے ہیں۔ قوم کی صحیح تربیت اور ان میں پوری طرح قومی
احساس پیدا کرنے کے لیے بھی وہ کوشاں ہیں۔

(۵) الاخوان المسلمون ایک "عسکری تنظیم" ہے، اس لیے کہ الاخوان
اپنی جسمانی تربیت کی طرف بھی خاص طور پر متوجہ ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ "المؤمن
القوی خیرٌ من المومن الضعیف"۔ ایک طاقت ور مسلمان کمزور مسلمان سے
بہتر ہے۔ انہیں اس ارشادِ نبوی کا بھی پوری طرح خیال ہے کہ "ان لبدنك
علیك حق" یعنی تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ
تمام احکام اسلامی کی صحیح طور پر بجا آوری کے لیے ایک قوی جسم کی ضرورت ہے۔
نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی مشقتیں وہی شخص برداشت کر سکتا ہے جو زندگی
کی دوڑ دھوپ اور معاشی جدوجہد کی تکلیفوں کو جھیل جاتا ہو۔ اسی لیے
انہوں نے اپنی تحریک کے تحت عسکری تنظیمیں اور بدنی ریاضت کی انجمنیں
بنائی ہیں، اور اس کی طرف بطور خاص متوجہ ہیں۔ ان میں سے اکثر ان انجمنوں
سے زیادہ اچھی ہیں جو صرف اسی سلسلے میں کام کرتی ہیں۔

(۶) الاخوان المسلمون ایک "علمی اور ثقافتی انجمن" ہے، اس لیے کہ علم حاصل کرنا اسلام نے ہر مسلمان مرد اور عورت پر ضروری قرار دیا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ الاخوان کے اجتماعات دراصل تعلیمی ادارے اور جسم و روح کی تربیت گاہیں ہیں۔

(۷) الاخوان المسلمون ایک "معاشی ادارہ" ہے۔ اس لیے کہ اسلام نے اپنے خاص نقطۂ نظر سے "کسب مال" کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ "سب سے زیادہ اچھا مال وہ ہے جو اچھے آدمی کے لیے ہو"۔ آپ کا ارشاد ہے ومن امسیٰ کالاً من عمل یدہ امسی مغفوراً لہ۔ جس نے پیشانی کا پسینہ بہا کر شام کی وہ بخشا گیا۔ آپ کا یہ بھی قول ہے ان اللہ یحب المومن المحترف۔ اللہ تعالیٰ حرفت کرنے والے مومن کو پسند کرتا ہے۔

(۸) اخوان المسلمون ایک "اجتماعی فکر" ہے، اس لیے کہ وہ اسلامی سوسائٹی کے سارے امراض کی طرف متوجہ ہے، ان کے علاج کی فکر کرتی ہے اور پوری کوشش کرتی ہے کہ قوم ان امراض سے نجات پائے۔

یہ اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری ہی کا تصور رہے، جس کی وجہ سے ایک طرف تو فکری اعتبار سے ہماری فکر تمام اصلاحی گوشوں پر محیط ہے اور دوسری طرف عملی طور پر الاخوان ان سارے ہی گوشوں پر پوری مستعدی سے کام کرتے ہیں۔ یا تو دوسروں کا یہ حال ہے کہ انہوں نے کسی ایک شعبے کو

اپنے لیے چن لیا اور اسی پر قناعت کر لی، یا پھر الاخوان کا یہ عزم و حوصلہ کہ انہوں نے سارے ہی شعبوں کو اپنی جولاں گاہ بنا لیا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں اسلام کا ان سے یہی مطالبہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لوگ الاخوان کے کاموں کو ظاہری حیثیت سے دیکھ کر انہیں متناقض سمجھنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ فی الاصل وہ متناقض نہیں ہوتے لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک "اخ مسلم" محراب میں تو انتہائی خشوع و خضوع سے گریہ و زاری کرتا ہوتا ہے اور تھوڑی دیر بعد وہی اس شان سے درس دیتا اور وعظ کرتا ہوتا ہے کہ اس کی پُر شور واعظانہ تنبیہیں حاضرِ سماعت کو ہلا ہلا دیں۔ پھر کچھ دیر بعد اسی کو آپ ورزش کرتا، گیند پھینکتا، دوڑتا یا تیرنے کی مشق کرتا ہُوا پاتے ہیں۔ اس کے بعد یہی شخص ہو گا جو اپنی دکان یا کارخانے میں پوری امانت اور اخلاص سے اپنے کام میں مشغول دکھائی دیتا ہے۔ یہ مختلف قسم کے کام ایسے ہیں جنہیں لوگ ایک دوسرے سے متناقض گمان کرتے ہیں ان کے فہم سے یہ بعید بات ہے کہ ان کا آپس میں میل بھی ہو سکتا ہے۔ کاش انہیں معلوم ہو سکتا کہ اسلام ان سب متناقض کاموں کو جمع کرتا ہے۔ جمع کرنے کا حکم اور ترغیب دیتا ہے، تاکہ ان میں ظاہراً و معناً ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔

اس ہمہ گیری کے باوجود الاخوان نے ان تمام گوشوں پر اپنے آپ کو ایسے مستعد رکھا ہے کہ نہ وہ تنقیدی تیروں کا نشانہ بن سکے اور نہ ان پر کوتاہی کا الزام ہی عائد ہو سکا۔ اسی طرح انہوں نے "الاخوان المسلمون" کے نام کے سوا، جس نام کے گرد کہ اسلام نے انہیں جمع کیا ہے، دوسرے ناموں میں بٹ جانا بھی گوارا نہ کیا۔

دعوت الاخوان کی بعض خصوصیات

اس کو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہی کہیے کہ الاخوان المسلمون کی دعوت شہر اسماعیلیہ سے شروع ہوئی، اور ان حالات میں شروع ہوئی کہ لوگوں میں فقہی اختلافات بہت زور پکڑ گئے تھے۔ ایک ایک فرعی مسئلہ پر وہ برسوں ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے اور بندگانِ اہواء و اغراض اس آگ کو اور ہوا دیتے۔ پھر اس دعوت نے سر اٹھاتے ہی دیکھا کہ بدیسی اقتدار اور روحِ جہاد سے سرشار ابنائے وطن میں ایک سخت کشمکش برپا ہے۔ ان خاص ظروف و حالات کی وجہ سے یہ دعوت چند خاص خصوصیات کی حامل ہے، جو اس کی ہم عصر دعوتوں میں نہیں پائی جاتیں۔ ان خصوصیات میں سے چند ایک یہ ہیں :-

(۱) فقہی اختلافات سے دوری (۲) اکابر اور اربابِ جاہ سے بے نیازی۔ (۳) سیاسی جماعتوں اور انجمنوں سے اجتناب (۴) ٹھوس تعمیری اور تدریجی طریق عمل۔ (۵) اشتہار و اعلان کے بجائے خاموش عملی کام (۶) نوجوانوں کا اس طرف جوق در جوق کھچ آنا۔ (۷) شہروں اور دیہات میں دعوت کا سرعت سے پھیلنا۔

ا۔ فقہی اختلافات سے دُوری

فقہی اختلافات سے دُوری کی وجہ یہ ہے کہ الاخوان کے اعتقاد میں احکام فرعیہ میں اختلافات ناگزیر ہیں، اور ان کے بغیر چارہ نہیں۔ اس لیے کہ اسلام کی بنیاد قرآن کی آیات اور احادیث و اعمال نبوی پر ہے، جن کے سمجھنے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ کے درمیان اس قسم کے اختلافات تھے۔ اب بھی ایسے اختلافات ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے کتنی محکم بات کہی جب ابو جعفر نے موطا پر تمام لوگوں کو جمع کرنا چاہا کہ:۔

ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفرقوا فی الامصار وعند کل قوم علم فاذا حملتہم علی رأي واحد تکون فتنة	اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہروں میں پھیل گئے تھے۔ اس طرح ہر قوم کے ہاں علم ہے۔ اگر تم سب کو ایک رائے پر جمع کرنا چاہو گے تو فتنہ ہو جائے گا۔

اختلاف بذات خود کوئی برائی نہیں، البتہ برائی ہے تو وہ متعصبانہ ذہنیت ہے جو کسی کو اپنی رائے کے ساتھ ہوتی ہے، اور وہ لوگوں کو فکر و رائے کی آزادی دینے کا روادار نہیں ہوتا۔

اختلافی امور میں ہمارے اس نقطۂ نظر نے متفرق دلوں کو ایک مقصد کے تحت جمع کر دیا اور لوگوں کے لیے یہ بات کافی ہو گئی کہ وہ زید رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں صرف "ان اصولوں کے مسلمان ہوں جن کی بنیاد پر کوئی شخص مسلمان قرار

پاتا ہے"۔ یہ نقطۂ نظر ایک ایسی جماعت کے لیے سخت ضروری ہے جو اپنی فکر کو پھیلانا چاہتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے اندر، لایعنی امور پر اختلافات نہ پیدا ہوں۔

۲۔ اکابر و ارباب جاہ سے بے نیازی

اکابر اور ارباب، جاہ سے بے نیازی اور دوری کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ارباب جاہ ایسی ایک دعوت کی طرف آنے کے بجائے، جس میں ان کی اہواء و خواہشات کے کھل کھیلنے کا کوئی موقعہ نہ ہو، ان مروجہ جماعتوں کی طرف لپکتے ہیں، جو انہیں دنیوی فائدے دیتی ہیں اور جن سے ان کے جذبۂ منفعت اندوزی کی تسکین ہوتی ہے — اگرچہ ان کا دنیوی اعتبار سے بھی فائدہ مند ہونا لوگوں کا ایک خیال ہی ہے، جسے حقیقت سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔

ہم دعوت الاخوان کے علم بردار ابتدائے ظہور دعوت ہی سے اس بات کا پورا پورا ارادہ کر چکے تھے کہ ہم اپنی دعوت کو ان تمام مروجہ تحریکوں کے اثرات سے پاک رکھیں گے جنہیں ہمارے ارباب جاہ چلاتے ہیں؛ اور اس کی خالصیت میں کسی قسم کا فرق نہ آنے دیں گے تاکہ ان میں سے کوئی نہ اس کو اپنی خواہشات کا آلۂ کار بنا سکے اور نہ اس کی سمتِ سفر کو بدل دے۔

اس کے علاوہ ہمارے اکثر اکابر ایسے ہیں، جو ان اسلامی خصوصیات ہی سے بے بہرہ ہیں جو ایک عام مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ کجا کہ وہ ان صفات سے متصف ہوں جو ایک دعوت اسلامی کے علم بردار اور لوگوں

کے سامنے حق کا داعی بن کر پیش ہونے والے ہیں ہونا چاہئیں۔ یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے اکابر و اعیان کی صنف الاخوان سے دور رہی۔ تاہم ان میں سے بعض بزرگ ایسے ہیں جو الاخوان کے نقطۂ نظر کو سمجھتے ہیں، ان کے مقصد کو جانتے ہیں، عملی طور پر ان کی جدوجہد میں شریک ہوتے ہیں اور ان کی توفیق و کامیابی کے آرزومند ہیں۔

۳۔سیاسی جماعتوں اور انجمنوں سے اجتناب

سیاسی جماعتوں سے ہمارے الگ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان جماعتوں کے درمیان ایسی چپقلش اور تو تو میں میں برپا رہتی ہے جو اسلامی اخوت سے کسی طرح میل نہیں کھاتی۔ اسلام کی دعوت تو آپس میں ہم آہنگی پیدا کرنے والی ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ لوگوں میں تفریق و انتشار کا سبب بنے۔ اس راہ میں وہی شخص آگے بڑھ سکتا ہے جو تمام دوسرے اثرات سے پاک اور ایک اللہ کے لیے خالص ہو کر رہے۔ اور یہ بات ان آزادی پسند طبیعتوں پر بڑی شاق ہے، جو گروہ بندیوں کی آڑ میں مال و جاہ کے طلبگار ہیں۔ اسی لیے ہم نے تمام جماعتوں اور پارٹیوں سے اجتناب ہی کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ اس طور پر ہمیں بعض صالح عناصر سے محروم ہو جانا پڑے۔ ہمارا یہی طرز عمل رہے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے سامنے سے یہ پردہ دور ہو جاتے اور وہ جان لیں کہ اصل حقیقت کیا ہے جو اب تک ان سے چھپی ہوئی تھی۔ اس طرح تجربہ و مشاہدہ کے بعد، پوری طرح عزم و یقین کے ساتھ وہ ہمارے

اصولی طریقِ عمل کو اختیار کریں۔

اب اس مرحلہ میں کہ ہماری دعوت پوری طرح زور پکڑ چکی ہے، اس کے قدم اچھی طرح جم گئے ہیں، اور ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ دوسروں کی طرف توجہ کرنے کے بجائے انہیں اپنی طرف متوجہ کریں۔ کسی سے اثر پذیر ہونے کے بجائے انہیں متاثر کریں، ہم ان امراء، اعیان اور جماعتوں اور انجمنوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ ہم سے مل جائیں، ہمارے طریقے کو اختیار کریں، ہمارے ساتھ کام کریں۔ ان لاحاصل خالی خولی دکھاوے کے کاموں کو چھوڑ دیں، قرآن عظیم کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اسلام اور نبی اسلام کی سرپرستی میں اپنے آپ کو دے دیں۔ اگر انہوں نے ہماری آواز پر لبیک کہی تو یہ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں بھلائی اور سعادت کا باعث ہوگا، اور دعوت کا کام نسبتاً کم وقت اور کم کوششوں میں انجام پا سکے گا۔ لیکن اگر انہوں نے سنی ان سنی کر دی، تو ہمیں اس کی بھی کوئی پروا نہیں۔ ہم کچھ عرصے تک اور انتظار کریں گے اور اللہ سے مدد کے طلبگار رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ انہیں گھیر لے، وہ بوکھلا جائیں اور مجبور ہو جائیں کہ اس دعوت کے لیے ماتحت بن کر کام کریں حالانکہ انہیں اگلی صفوں میں رہنے اور ارباب حل و عقد کی پوزیشن سنبھالنے کا موقع تھا۔

واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

"اور اللہ غالب رہتا ہے اپنے کام میں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

۴۔ ٹھوس تعمیری اور تدریجی طریقِ عمل

ہمارے تدریجی طریقِ عمل، تربیت پر زور اور ایک واضح پروگرام کے مطابق قدم بڑھانے کی وجہ یہ ہے کہ الاخوان المسلمون کے اعتقاد کے مطابق، ہر دعوت ناگزیر طور پر تین مرحلوں سے گزرتی ہے۔

(۱) پہلا مرحلہ دعوت کا مرحلہ ہوتا ہے، جس میں مقصد اور فکر سے متعارف کرایا جاتا ہے اور عوام الناس کی اکثریت تک دعوت پہنچا دی جاتی ہے۔

(۲) دوسرا مرحلہ "مرحلۂ تکوین" ہے، جس میں دعوت اپنے مددگار چنتی اور لوگوں کے درمیان سے اپنے مقصد کے سپاہی فراہم کر کے انہیں منظم کرتی ہے۔

(۳) ان سب کے بعد "مرحلۂ تنفیذ" آتا ہے جو دعوت کے قوت حاصل کرنے اور اس کے پھل لانے کا وقت ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دعوت کی وحدت اور ان تینوں مرحلوں کی باہمی مماثلت کی وجہ سے، یہ سارے کام ایک ساتھ ہی انجام پاتے ہیں۔ ایک داعی بیک وقت دعوت بھی دیتا ہے، اپنے اعوان و انصار فراہم کر کے ان کی تربیت بھی کرتا ہے، اور دعوت کو عملی طور پر حکمراں کر کے احکام بھی نافذ کرتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری مرحلہ، مرحلۂ تنفیذ یا دوسرے الفاظ میں دعوت کا مکمل نتیجہ، اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتا جب تک دعوت پوری طرح پھیل نہ جائے۔ اس کے مددگاروں کی کثرت نہ ہو جائے

اور انہیں اچھی طرح مستحکم نہ کر لیا جائے۔

ہماری دعوت ان مرحلوں کی پابندی کے ساتھ چلتی رہے گی۔ ابتدائی طور پر دعوت سے ہم نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ اپنے مسلسل دروس، پیہم دوروں، کثیر مطبوعات، عام و خاص اجتماعات اور جریدہ الاخوان المسلمون، پھر مجلۃ النذیر ہفتہ وار کے ذریعہ لوگوں تک دعوت پہنچائی۔ اب تک پہنچا رہے ہیں اور آئندہ بھی پہنچاتے رہیں گے، یہاں تک کہ ایک فرد واحد بھی ایسا نہ رہ جائے جس تک الاخوان المسلمون کی بے لوث دعوت، اپنی صحیح صورت میں نہ پہنچی ہو، ویابی اللہ الاّ ان یتم نورہ۔ اللہ اپنی روشنی کو پورا کیے بغیر نہ رہے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب ہم اس مرحلہ میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جو ہمیں اپنے کام سے یک گونہ مطمئن کر دے۔ اب ہمارے لیے بہت ضروری ہو گیا ہے کہ دوسرا قدم بڑھائیں جو اپنے کام کے لیے لوگوں کو چننے، انہیں تربیت دینے اور منظم کرنے کا ہو گا۔

یہ دوسرا قدم ہم نے تین طرح سے اٹھایا ہے:۔

(۱) کتیبے[1]۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ باہمی تعارف، میل ملاپ اور روحانی ربط ضبط، عادات و خواہشات پر پابندی، تعلق باللہ کی استواری اور اسی سے

---

[1] مصر میں "کتیبہ" کے نام سے الاخوان نماز، ذکر اور تلاوت میں رات گزارنے کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ "کتیبہ" کے اصلی معنی فوج یا رجمنٹ کے ہیں۔

استمداد کے ذریعے، ہم اپنے آپ کو تیار کریں۔ یہ الاخوان المسلمون کی روحانی تربیت گاہیں ہیں۔

(۲) جمعیتیں[1]۔ جن میں اسکاؤٹنگ (Scouting) اور ورزشی کھیل ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد الاخوان کی جسمانی نشوونما، انہیں اعلیٰ قسم کی ورزش، اس کے نظم اور اطاعت کا پابند بنانا، اور ان میں صحیح عسکریت پیدا کرنا ہے جس کو اسلام نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے۔ یہ الاخوان المسلمون کی جسمانی تربیت گاہیں ہیں۔

(۳) تعلیمی اسباق۔ جو الاخوان کے کتیبوں، یا ان کے دوسرے اجتماعات میں دیئے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد الاخوان کی فکری نشوونما ہے، تاکہ ایک "اخ مسلم" ان جامع اسباق کے ذریعہ، دین و دنیا کی ان ساری چیزوں سے واقف ہو جائے، جن کا جاننا اس کے لیے ضروری ہے۔ یہ الاخوان المسلمون کی فکری اور علمی تربیت گاہیں ہیں۔

یہ ان مختلف قوتِ عمل کو بیدار کرنے والے کاموں کے علاوہ ہیں جن کے ذریعہ الاخوان اپنے آپ کو قوم کی قیادت بلکہ پوری دنیا کی ہدایت کا فریضہ انجام دینے کے لیے تیار کرتے ہیں۔

اس مرحلہ کا کام ہم اطمینان بخش حد تک کر لیں تو انشاء اللہ ہم تیسرا قدم اٹھائیں گے، جو عملی قدم ہو گا جس کے بعد الاخوان المسلمون کی دعوت اپنے

---

[1] ان جمعیتوں کو "فرقہ" کہا جاتا ہے۔

پھل لاتے گی۔

میں اب الاخوان المسلمون اور خاص طور پر ان میں کے جذبات میں بہہ جانے والوں اور عجلت پسندوں سے بطور خاص کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ آج کے اس اہم اجتماع میں، میرے اس ذمہ دارانہ مقام سے، مجھ سے صاف صاف بلا کم و کاست سُن لیں ——— آپ کا راستہ ایک متعیّن راستہ ہے اس کے خطوط اور حدود متعیّن ہیں۔ ان حدود سے تجاوز مجھے پسند نہیں جن کے بارے میں مجھے پورا اطمینان ہے کہ یہ منزل تک پہنچنے کا سب سے زیادہ محفوظ راستہ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح آپ کا راستہ بہت طویل ہو جاتے گا لیکن اس کے سوا کوئی دوسری صورت بھی نہیں۔ مردانگی تو صبر، کوشش اور مسلسل اور خاموش کام ہی میں ہے۔ جو کوئی پکنے سے پہلے ہی پھل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اور وقت سے پہلے ہی پھل توڑنے کی کوشش کرتا ہے تو میں اس کی اس جلد بازی کے حق میں نہیں۔ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اس دعوت کو چھوڑ کر دوسری تحریکوں کا رُخ کرے، جہاں اس کے جذبۂ عجلت پسندی کی تسکین کا سامان ہو سکتا ہے۔ جو ہمارے ساتھ صبر سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ بیج نشو ونما پائے، درخت برگ و بار لائے پھل اچھا ہوا۔ اس کے توڑنے کا وقت آجاتے تو اس کا اجر اس کے اللہ کے پاس ہے۔ ہم سے اور آپ سے ان نیک کاموں کا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ یا تو کامیابی و کامرانی اور حکومت و شوکت ہمارے قدم چومے گی یا مرتبۂ شہادت و

سعادت سے ہم بہرہ مند ہوں گے۔

ایھا الاخوان المسلمون! جذبات کی ہیجان انگیزیوں کو عقل کی لگام دے رکھو، اور عقل کی خاموش چنگاریوں کو جذبات کی آگ سے بھڑکاؤ تخیل کو حقیقت و واقعیت کا پابند بناؤ اور حقیقتوں کو اپنے تابناک تخیل کی روشنی میں دیکھو۔ کسی ایک سمت بھی اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری سمت سے بالکل ہی غافل ہو جاؤ۔ قوانینِ فطرت سے ٹکراؤ نہیں بلکہ انہیں اپنا مغلوب کر لو، ان سے فائدہ اٹھاؤ، ان کے بہاؤ کی سمت کو بدل دو۔ ان سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں کام لو اور فتح و نصرت کے متوقع رہو جو تم سے زیادہ دور نہیں۔

ایھا الاخوان المسلمون! تمہارے کاموں کا مقصود محض ابتغاء وجہ اللہ ہے اور اسی کے اجر اور خوشنودی کے تم آرزو مند ہو۔ اگر تم اپنی کوششوں میں مخلص رہو گے تو یہ اجر و ثواب تمہیں مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نتائج اعمال کا مکلّف نہیں کیا۔ بلکہ تمہیں جو کچھ تکلیف دی ہے وہ بس صدقِ نیت اور حسنِ عمل کی ہے۔ اس کے بعد اگر ہم کامیاب نہ بھی ہوئے تب بھی ہمیں کام کا اجر بہرحال ملے گا۔ اور اگر ہم نے مطلوب کو پا لیا تو کام کے علاوہ فوز و کامیابی کا دوہرا اجر پائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماضی و حال کے تجربات نے یہ حقیقت بھی عیاں کر دی ہے کہ خیر و صلاح ہے تو تمہارے راستے میں، نتیجہ اور حاصل پایا جا سکتا ہے تو تمہارے قدم بہ قدم چل کر اور حق و صواب ہے تو اس کام میں جو تم کر رہے ہو۔ پس اپنی کوششوں کو ضائع نہ کرو، کامیابی کی بازی نہ ہارو اور کام کیے جاؤ، اللہ

تمہارے ساتھ ہے وہ تمھارے کام ضائع کرنے والا نہیں۔ اور کامیابی کام کرنے والوں کے لیے ہے۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤف الرحیم۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمھارا ایمان۔ بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے۔ (البقرہ)

ایہا الاخوان المسلمون! ہم آج یہاں ایک ایسے اجتماع میں جمع ہیں، جس کو "عائلی اجتماع" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جہاں الاخوان المسلمون کا پورا خاندان جمع ہے۔ اس موقع پر میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے کھلے طور پر الاخوان کا مقصد پیش کروں، اور یہ وضاحت ہی ہمارے اور آپ کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہے۔

تصوّر و خیال کی بات کچھ اور ہے اور کہنا کچھ اور۔ کہنا وہ نہیں جو کرنا ہوتا ہے، مجرّد کرنے اور جہاد کی حیثیت سے کرنے میں بھی بڑا فرق ہے، اور جہادِ حق اور جہادِ خاطی میں بھی کوئی علاقہ نہیں۔ بہتوں کے لیے یہ تو آسان ہے کہ وہ عالم تصور و خیال میں بہت کچھ سوچیں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ دل میں گزرنے والے ہر خیال کو الفاظ کا جامہ پہنا کر زبان سے ادا کر سکیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو کہہ تو خوب سکتے ہیں لیکن کم ایسے ہوں گے جو عملی طور پر اپنی باتوں کو صحیح ثابت کر دکھا سکیں۔ ان کم میں سے بھی اکثر ایسے تو ہو سکتے ہیں جو مجرّد عمل کے میدان میں تو پورے اتریں، لیکن کم تر ایسے ہوں گے جو جہاد کی صعوبتوں اور پیہم جدّوجہد کی مشقتوں کو بھی برداشت کر سکیں۔ اور یہ مجاہدین بھی جو مقصد کے لیے کام کرنے

والے گروہ میں سے چھٹ کر آتے ہوں گے، بسا اوقات غلط راستہ اختیار کر لیں گے اور مقصود کو نہ پا سکیں گے۔ اگر اللہ کی عنایت ان کے شامل حال نہ رہے۔ قصۂ طالوت میں اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

پس اپنے آپ کو تیار کرو، اپنے نفس کی صحیح تربیت کرو اور اسے جانچتے رہو، اسے سخت اور مسلسل عمل کی بھٹی سے گزارو —— اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عمل کی بھٹی نفسِ انسانی پر بہت ہی شاق ہے —— خواہشات اور عادات کو لگام دے رکھو۔ جس وقت تم میں سے تین سو کتیبے ایسے ہو جائیں جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو تیار کر چکا ہو۔ روحانی طور پر ایمان و عقیدہ کی تربیت کر لی ہو۔ فکری طور پر علم و ثقافت کے جوہر سے آراستہ ہو اور جسمانی طور پر ریاضت اور عسکری تربیت کے مرحلے سے گزر چکا ہو —— اس وقت تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو کہ تمہیں لے کر سمندر کی پہنائیوں کو چیر جاؤں، آسمان کی بلندیوں کو جا لوں، اور ہر باطل قوت سے ٹکرا جاؤں، انشاء اللہ مجھے اس میں کوئی باک نہیں ہوگا۔ سچ فرمایا صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ولن یغلب اثنا عشر الفاً من قلۃ۔ — بارہ ہزار کی تعداد قلت سے مغلوب ہونے والی نہیں۔

میں اس کے لیے ایک مختصر سی مدت کا تعین کر رہا ہوں اور اللہ سے توفیق کا خواستگار، اس کی مدد کا طلبگار اور اس کے اذن و مشیئت کا منتظر ہوں۔ الاخوان کے نائبین اور مندوب اگر زیادہ عزم و ہمت سے کام لیں اور

اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیں تو اس مدّت میں کمی بھی ممکن ہے لیکن اگر کچھ بھی غفلت اور کوتاہی برتی گئی تو ہمارا سارا اندازہ غلط ہو جائے گا۔ اور نتائج بہت مختلف برآمد ہوں گے۔

اپنے آپ کو محنت و مشقت کا عادی بناؤ، کتیبوں میں شرکت کرو۔ جمعیتیں ترتیب دے لو، تعلیمی اسباق کی طرف سبقت کرو، عسکری تربیت حاصل کرو۔ اپنی دعوت کو ان تمام گوشوں میں پھیلاؤ جہاں اب تک وہ نہیں پہنچ سکی۔ اور ایک لمحہ بھی بیکار ضائع نہ کرو۔

میرے اس بیان سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ الاخوان تعداد کے لحاظ سے مختصر اور کام کے لحاظ سے ابھی کمزور ہیں۔ میرے کہنے کا یہ منشا نہیں اور نہ میری گفتگو کا یہ مفہوم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الحمد للہ الاخوان المسلمون تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں۔ آج کا یہی اجتماع ان کے ہزاروں ارکان کی نمائندگی کر رہا ہے، جن میں سے ہر ایک، ایک پورے شعبہ کا قائم مقام ہے جو عدداً کم تر نہیں، نہ ان کی کوششوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے حق کا انکار ممکن ہے —— بلکہ میری گفتگو کا مدعا اس حقیقت کو پیش کرنا ہے کہ باتوں کا آدمی اور ہوتا ہے کام کا آدمی اور، ایک کام کرنے والا بھی اس پایہ کا نہیں جس پایہ کا ایک جہاد کا مرد میدان ہوتا ہے، مجرد جہاد کے میدان میں کود پڑنے والا بھی اس مردِ مجاہد سے مختلف ہوتا ہے جو نتیجہ خیز اور دانش مندانہ جہاد کرتا ہے اور کم سے کم قربانیاں دے کر زیادہ سے

زیادہ نفع اٹھاتا ہے۔

۵ - خاموش عملی کام

ہماری دعوت کی پانچویں خصوصیت اشتہار و اعلان کے بجائے خاموش کام کیے جانا ہے۔ الاخوان کے اس طریق کار کو اپنانے اور اس کو اپنا اصول عمل بنانے کی چند وجوہات ہیں:-

پہلی وجہ اسلام کے وہ احکام ہیں جو اس سلسلہ میں آتے ہیں۔ انہیں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ان کے اعمال ریا میں ملوّث ہو کر اکارت نہ جائیں۔ اس نقطۂ نظر کا اور ان احکام کا جو نیکی کو پھیلانے، اس کا حکم دینے اور اور اس کا اعلان کرنے کے بارے میں آتے ہیں، ٹھیک موازنہ کرنا اور صحیح درمیانی راہ کا اختیار کرنا، ایک بڑا نازک کام ہے، جو اللہ کی توفیق خاص شامل حال ہو تو ہی پورا ہو سکے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ الاخوان جھوٹے دعووں پر لوگوں کے اعتماد اور بغیر کسی عمل کے شور و غوغا سے طبعاً متنفر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس کا قوم میں کتنا بُرا اثر ہوتا ہے، کس طرح وہ اس راہ سے بڑی گمراہی میں جا پڑتی ہے اور کیسے یہ چیز ان میں فساد کا باعث ہوتی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ الاخوان کو بجا طور پر اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ دعوت کی جلد بازی سے کہیں وہ شدید دشمنی یا نادان دوستی کا شکار نہ ہوں۔ اور یہ دونوں امور ان کی منزل کھوٹی کرنے والے اور انہیں مقصد سے دور کرنے والے ہیں۔

اِن تمام امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے الاخوان نے اس بات کو ترجیح دی کہ وہ پوری کوشش اور تدریج سے راہِ دعوت پر گام زن رہیں۔ خواہ اس طرح سوائے ان کے قریبی ماحول کے کسی کو اس کا شعور بھی نہ ہو۔ اور ان کے خاص حلقے سے آگے کوئی اس سے متأثر نہ ہو سکے۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ الاخوان کا ایک داعی جمعرات کی شام اپنے تبلیغی دورے پر نکلتا ہے۔ عشاء کے وقت وہ منیا میں ہوتا ہے، جہاں وہ لوگوں سے خطاب کرتا ہے۔ نمازِ جمعہ کے وقت وہ منفلوط پہنچ کر خطبہ دیتا ہے۔ عصر کے وقت وہ اسیوط میں لوگوں سے خطاب کرتا ہے اور عصر کے بعد سوہاج میں اس کی تقریر ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنے مقام پر لوٹ آتا ہے اور قاہرہ میں سویرے ہی اپنے دوسرے ہم پیشہ بھائیوں سے پہلے اپنے کام پر پہنچ جاتا ہے۔

اس طرح ایک داعی تیس گھنٹوں میں ملک کے مختلف گوشوں کے چار جلسوں میں شریک رہتا ہے۔ پھر وہ پورے ضمیر کے سکون اور قلب کے اطمینان کے ساتھ اس توفیقِ الٰہی پر خدا کا شکر بجا لاتے ہوئے واپس لوٹتا ہے اور سوائے ان کے جنہوں نے اس کی تقریریں سنیں، اور کوئی اس کی ان سرگرمیوں سے واقف نہیں ہوتا۔ اگر الاخوان کے سوا کوئی دوسرا ایسے کام انجام دیتا تو دنیا بھر میں اس کا ڈھنڈورا کرتا۔ لیکن الاخوان ان وجوہات کی بنا پر جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیں، اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ لوگ انہیں بس

کام کرتا ہُوا پائیں۔ جنہوں نے انہیں ان کے عمل سے ہی جان لیا تو فبہا، اور جن کے لیے عمل موثر نہیں ہو سکا تو ان کے لیے قول بھی بے فائدہ ہے۔

ایک ُ اخ، مہینے دو مہینے مسلسل اپنے گھر بار اور اہل و عیال سے دُور گزارتا ہے۔ ایک اللہ کی طرف دعوت ہی اس کا کام ہوتا ہے۔ راتوں کو تقریر کرتا ہے اور دن کو سفر کی منزلیں طے کرتا ہے۔ ایک دن ' حزوی ' میں ہے تو ایک دن ' عقیق ' میں۔ اس طرح وہ موسم کی ساری سختیوں میں ملک کے مشرقی سرے سے لے کر مغربی سرے تک ساٹھ سے زیادہ تقریریں کرتا ہے ان جلسوں میں جس میں وہ تقریر کرتا ہے ہر طبقہ کے ہزاروں افراد شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب کے بعد اس کی ہدایت ہوتی ہے کہ میرے یہ کام اشتہار و اعلان کے لیے نہیں ہیں۔

الاخوان اسکندریہ میں شہر سے بالکل قریب ہی ایک نمونہ کی عسکری تربیت گاہ قائم کرتے ہیں، جو فی الاصل ایک مثالی تربیت گاہ ہوتی ہے، جہاں جسم و بدن کی ریاضت کے ساتھ، فکر و روح کی ریاضت کا بھی سامان ہوتا ہے۔ جس میں پوری وضاحت کے ساتھ اس بات کو پیش کیا جاتا ہے کہ عسکری تربیت و ریاضت کسے کہتے ہیں۔ یہ تربیت گاہ اس تمام عرصے میں وہاں رہتی ہے اور اس کے شامیانوں میں سو تک نیک اور پاکباز با ایمان نوجوان رہتے ہیں۔ لیکن سوائے الاخوان کے ان افراد کے جو وہاں حاضر تھے اور کہیں اس کی آواز تک نہیں سنائی دیتی۔

آج کے اس اجتماع کی طرح کا اجتماع ہوتا ہے جو سچ مچ مصر کی پارلیمان کا نمونہ ہے۔ جہاں اس کے ضلعوں اور مرکزوں، گاؤں اور شہروں سے صحیح صحیح نمائندگی ہو رہی ہے لیکن آپ کو یہاں سوائے آپ کی ایک نتیجہ خیز کام سے رغبت اور اس سے والہانہ شوق کے کسی اور چیز نے جمع نہیں کیا۔ دعوت نے آپ کو متوجہ کیا اور الاخوان نے بغیر کسی شور و غوغا کے آپ کو یہاں جمع کر دیا۔

الاخوان ایسے ہی یا اس کے سوا دوسری قسم کے بہتیرے اصلاحی کام انجام دیتے ہیں جس کے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کا چرچا نہیں کرتے اور نہ اس پر اتراتے ہیں۔ مبالغہ تو ایک طرف وہ حقیقت حال تک زبان پر نہیں لاتے۔ اگر اس قسم کی کچھ بھی مستعدی الاخوان کے سوا دوسری انجمنوں میں ہوتی، اور ایسے کچھ بھی کارنامے ان سے انجام پا سکتے تو وہ دنیا بھر میں اس کا پروپیگنڈا کرتے اور مشرقی اور مغربی گوشوں میں رہنے والوں کو بھی اس سے ناآشنا نہ رکھتے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہمارا یہ زمانہ "پروپیگنڈے کا زمانہ" ہے۔

ایہا الاخوان! تمہارا یہ مقصد فی الحقیقت ایک اچھا مقصد ہے اور تمہارا یہ اصول اللہ کے ہاں بھی پسندیدہ ہے اور لوگوں کے ہاں بھی۔ اسی طریق پر آگے بڑھے جاؤ اور بے کھٹکے آگے بڑھے جاؤ ——— لیکن ساتھ ہی تمہیں ایک اور بات بھی پیش نظر رکھنی ہے۔ دعوت کا اب یہ تقاضا ہے کہ تم اب راہ کی رکاوٹوں کو پھاند کر کھلے میدان میں آجاؤ۔ دعوت آپ سے آپ ظاہر ہو

چکی ہے۔ لوگوں نے تمہارے اور تمہاری دعوت کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا ہے۔ اور ایسے بوالفضول جو تمہارے حالات سے کچھ بھی واقف نہیں، لوگوں کے سامنے تمہاری ترجمانی کرنے لگ گئے ہیں۔ ان حالات میں تمہارے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ تم اپنے مقصد، ذرائع حصول مقصد، حدود فکر اور طریق عمل کو لوگوں کے آگے بالوضاحت پیش کرو۔ اور اپنی کارکردگیوں کا کھلے بندوں اعلان کرو۔ کچھ فخر و غرور کے طور پر نہیں بلکہ ابنائے نوع کی بھلائی اور نفع کے لیے جو تمہاری دعوت میں پوشیدہ ہے۔ اپنے رسالہ میں لکھو جو تمہارا آرگن ہے اور دوسرے روزناموں میں مضامین بھیجو۔ جو میں سمجھتا ہوں تمہاری راہ میں رکاوٹ نہیں ہوں گے۔ اس کا خوب خیال رکھو کہ تم جو کچھ کہو سچ کہو اور حقیقت سے ذرا بھی تجاوز نہ ہونے پائے۔ تمہارا اظہار و اعلان ادب و اخلاق کے حدود میں رہے اور لوگوں کو جمع کرنے اور ان کے قلوب کو مائل کرنے کی نیت پر مبنی ہو۔ پھر اپنی دعوت کے پھیلنے کے ہر موقعہ پر خوب یاد رکھو کہ یہ سب اللہ کا فضل و احسان ہے۔

بل اللہ یمن علیکم ان هداکم للایمان ان کنتم صٰدقین۔ (الحجرات)	بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی اگر سچ کہتے ہو۔

۶۔ نوجوانوں کا دعوت کی طرف کھچ آنا

نوجوانوں کا ہماری دعوت کی طرف کھچ آنا، اور مزدور پیشہ اور درمیانی

طبقوں کے اکثر حصّوں میں اس کا پھیلنا جو کسی دعوت کے لیے سب سے زیادہ زرخیز طبقات ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ صرف توفیقِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔ جس پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ ہر مقام پر نوجوانوں نے الاخوان کی دعوت پہ آگے بڑھ کر لبیک کہی ہے۔ وہ شرحِ صدر کے ساتھ اس پہ ایمان لاتے ہیں۔ اس کی عملی تائید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے آگے بڑھنے اور اس سلسلہ میں کام کرنے کا پختہ عہد استوار کرتے ہیں۔

کئی سال ہوئے ہیں یونیورسٹی کے چھ نوجوان آگے بڑھے اور اپنے آپ کو اور اپنی کوششوں کو اللہ کے لیے تج دیا۔ اللہ نے ان کے صدقِ نیت کو جانا، ان کی تائید فرمائی اور قوت بخشی۔ حال یہ ہو گیا کہ پوری یونیورسٹی کی یونیورسٹی الاخوان کی ہمدرد ہو گئی۔ یہ سارے ہمدرد ان نوجوانوں سے محبت کرتے ہیں۔ ان کا احترام ان کے دلوں میں ہے اور ان کی کامیابی کے متمنّی ہیں۔ یونیورسٹی کے اس نوجوان گروپ سے ایک نوجوان مومنہ خاتون بھی ایسی نکل آئیں، جنہوں نے اپنے آپ کو دعوت میں فنا کر دیا ہے اور ہر موقع پہ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیتی ہیں۔

کچھ یہی حال ازہر شریف کا بھی ہے۔ ازہر بالطبع دعوت کا گھر اور اسلام کی پناہ گاہ ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ اخوان کی دعوت کو اپنی دعوت سمجھتا ہے اور اس کے مقصد کو اپنا مقصد جانتا ہے۔ اخوان کی صفیں اور ان کی مجلسیں۔ ازہر کے پُرجوش نوجوانوں، فاضل علماء، اس کے

واعظین اور مدرسین سے بھری رہتی ہیں۔ دعوت کے پھیلنے، اس کو قوت دینے
اور ہر جگہ پھیلانے میں ان اداروں کا بڑا ہاتھ ہے۔

نوجوانوں کا اس طرف کھچ آنا، کچھ فاضل طلبہ اور اسی قسم کے علمی حلقوں
تک ہی محدود نہیں، بلکہ مسلمان عوام کی اکثریت اس طرف کھچ آئی ہے اور یہ
سب دعوت کے بڑے اچھے مددگار ہیں۔ بہت سے نوجوان گمراہیوں میں
پڑے ہوتے تھے، اللہ نے انہیں ہدایت دی۔ وہ حیران و سرگشتہ تھے، اللہ
نے انہیں راہ پر لگا دیا معصیت ان کی عادت بن کر رہ گئی تھی، اللہ نے انہیں
اطاعت کی توفیق دی۔ وہ زندگی کے مقصد سے بے بہرہ تھے۔ ان پر اس کا
مقصد واضح ہو گیا۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاء۔

یہ سب ہمارے نزدیک توفیق الٰہی کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ ہم دن
بدن قدم آگے بڑھتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ جس سے ہماری امید بندھتی ہے
اور یہ حالات ہمیں مسلسل کام کئے جانے اور اپنی کوششوں کو تیز تر کرنے پر
اکساتے ہیں۔ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم۔ اور مدد ہے
صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا۔ (آل عمران)

۷۔ شہروں اور دیہات میں دعوت کا سرعت سے پھیلنا

شہروں اور دیہات میں دعوت کا سرعت سے پھیلنا۔ اس سلسلے میں میں کہہ
چکا ہوں کہ ہماری دعوت شہر اسماعیلیہ سے اٹھی، اس کی کھلی فضاؤں میں پروان
چڑھی اور اس وسیع اور خوب صورت ریگ زار میں آگے بڑھی۔ صبح و شام

بدیسی جبر و استبداد اور مال و دولت کی لوٹ کا جو مشاہدہ ہوتا رہتا تھا اس نے
اس کو غذا پہنچائی اور اس کی نشو و نما میں مدد دی ـــــ سامنے ہی نہر سویز ہے
جو تمام بیماریوں کی جڑ اور بلاؤں کی اصل ہے۔ مغرب میں انگریزوں کی فوجی
چھاؤنی، اپنے تمام ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس نظر آتی ہے۔ مشرق میں
کنال کمپنی کا صدر دفتر، اپنے اثاث و متاع اور شان و شوکت کے ساتھ
دکھائی پڑتا ہے۔ بھولا بھالا مصری ان فضاؤں میں گھرا ہوا، خود اپنے شہر میں
ہر ایک چیز سے محروم ہے اور دوسرے اس کی وطن کی دولت پر عیش اڑا
رہے ہیں۔ وہ خود ذلیل ہے اور غیر اس کے اسباب رزق پر غاصبانہ قبضہ
جما کر عزت والے بنے ہوئے ہیں۔

یہ شعور و احساس الاخوان کی دعوت کے لیے اچھی غذا ثابت ہوا اور
اس کے پھیلنے میں اس سے بڑی اچھی مدد ملی۔ پہلے اس نے نہر کے علاقے میں
اپنا اثر پھیلایا۔ پھر بحر صغیر کے علاقہ تک آگے بڑھی۔ اس کے بعد مدیریہ دقہلیہ
تک وسیع ہوگئی۔ ایمان والوں کے دلوں میں پہلے ایک حقیر تخم بن کر داخل
ہوتی، پھر جلد ہی پورے نہاں خانۂ دل پر اپنا قبضہ جما لیتی، اس کے فکر و شعور
میں سمو جاتی اور اس کی غایتِ آرزو اور منتہائے مقصود بن کر رہ جاتی پھر
وہ داعی بن کر اٹھتا۔ دعوت کی راہ میں کسی قربانی سے بھی اسے دریغ نہیں
ہوتا اور ان تھک کوششوں سے بھی وہ جی نہیں چراتا۔

قاہرہ میں ہماری دعوت نے اس وقت اپنے قدم جمائے جب کہ

جمعیتہ حضارۃ اسلامیہ[1] اپنے تمام داعیوں اور اسباب سمیت، الاخوان کی فکر پر ایمان لاتے ہوئے، ایک جماعت کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دے کر، شہرت و ناموری کی خواہش کو ٹھکرا کر اور اس انانیت اور انفرادیت کو خیرباد کہہ کے، جس نے ہمارے سارے کام بگاڑ دیے، ہم میں آ شامل ہوئی۔

اس کے نتیجے میں قاہرہ میں ہمارا مکتب ارشاد عام، قائم ہؤا جس نے مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیلی ہوئی اس جماعت کی شاخوں سے ربط پیدا کیا اور مختلف شہروں میں اسے پہنچانے اور اس کی فکر کو پھیلانے کی پوری پوری کوشش کی۔

مکتب ارشاد عام اسی طرح اپنا کام کرتا رہا۔ اس کے ارکان نے شیر کی سی خودداری اور ابر برشگال کی سی بے لوثی کے ساتھ، اپنے عقیدہ و مقصد کی راہ میں، اپنی قوتوں، اوقات اور کوششوں کی ہر ممکن قربانی کی، کسی کے آگے ہاتھ

---

[1] جمعیتہ حضارۃ اسلامیہ ایک انجمن تھی، جو قاہرہ کے پرجوش نوجوانوں نے، اسی زمانے میں جبکہ حسن البنا مرحوم اسماعیلیہ میں اخوان کی دعوت دے رہے تھے، قائم کی تھی۔ مرحوم کے بڑے بھائی عبدالرحمٰن البنا، چھوٹے بھائی محمد البنا اور محمد اسعد الحکیم اس انجمن کے خاص کارکنوں میں سے تھے۔ اخوان میں اس انجمن کا انضمام ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے۔ قاہرہ میں اخوان کا یہ پہلا قدم تھا۔ اخوان کے اس دور میں شیخ محمد فرغلی اور احمد حسن باقوری کے نام آتے ہیں، جو آج کل اخوان کی پہلی صفوں میں ہیں۔

نہیں پھیلایا، نہ کسی بڑے سے کچھ مانگا اور نہ کسی انجمن سے، نہ حکومت کے مال کے محتاج ہوتے نہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی اور کی مدد کے طلبگار ہوئے۔ یہاں تک کہ الاخوان کی شاخیں مصر کے گوشے گوشے میں پھیل گئیں۔ آسوان سے لے کر اسکندریہ، رشید، پورٹ سعید، سویز، طنطا، فیوم، بنی سویف، منیا، اسیوط، جرجا اور قنا تک اور اس کے تمام درمیانی شہروں اور دیہات میں اس کی شاخوں کا ایک جال بچھ گیا۔

پھر یہ حدود مصر ہی میں محدود ہو کر نہیں رہ گئی، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے وطن کے جنوبی حصے میں سوڈان تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد دنیائے اسلام کے دوسرے خطوں، شرقاً سوریا اور اس کے مختلف علاقوں، اور غرباً بلادِ مغرب اور اس کے مختلف حصوں تک پھیل گئی۔ پھر دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اپنا اثر پھیلایا۔

یا تو اس سے قبل یہ حال تھا کہ ہم دعوت کو لے کر آگے بڑھتے اور اس کو پھیلانے کی کوشش کرتے، یا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ خود دعوت سبقت کر کے مختلف ملکوں اور شہروں میں پہنچ جاتی ہے اور ہم مجبور ہوتے ہیں کہ جہاں جہاں وہ جائے ہم اس سے تعلق قائم کیے رہیں، اور خواہ کتنی ہی مشقتیں برداشت کرنی پڑیں اور کتنی ہی قربانیاں دینی ہوں، اس کے حقوق و واجبات ادا کریں۔

ہماری ان مختلف جماعتوں کا تعلق نرا جماعتی یگانگت کا تعلق نہیں، اور نہ یہ محض عام قسم کا مقصدی ربط ہے۔ بلکہ یہ تمام تعلقات سے زیادہ قوی اور

پائیدار تعلق ہے۔ یہ گہری محبت، مکمل تعاون اور مقدس اور کامل ہم آہنگی کا تعلق ہے۔ ایک دعوت کے مرکز اور محور کے گرد ہم جمع ہوتے ہیں۔ اور اس مرکزی ربط نے ہمیں ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔ اور رنج و غم، امید و مسرت، جہاد و عمل، مقاصد و مناہج اور اصول و طریقِ عمل میں ہمارے درمیان کامل ہم آہنگی پیدا کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ گہرے تعلق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

شہروں اور دیہات کی جماعتوں کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ مکتب ارشادِ عام قاہرہ کی تعلیمات کو پھیلائیں اور اس کے احکام پر عمل درآمد کریں، بلکہ یہ جماعتیں عوامی خدمت کے تمام گوشوں میں کام کرتی ہیں اور اس کے لیے مختلف مجلسیں بناتی ہیں۔ کئی ایک جماعتوں نے اپنی عمارت بنالی ہے جو ان کی خالص اور مخصوص ملکیت ہے، کئی ایک جماعتوں نے بہت سی خدمت عوام کی یا معاشی اور اجتماعی تحریکیں بھی شروع کر دی ہیں، جو سب کی سب جاندار اور نتیجہ خیز ہیں۔ مکتب ارشادِ عام کا تعلق شاخوں اور جماعتوں سے ایسا نہیں ہے جیسا کہ صدر اور ماتحت کا ہوتا ہے، بلکہ یہ صرف اداراتی اور معلوماتی تعلق ہے۔ البتہ اس تعلق سے بڑھ کر ایک تعلق اور ہے اور وہ ہے روحانی تعلق، اللہ کی راہ میں رفاقت کا تعلق، اور ایسا تعلق جو ایک کنبے کے مختلف افراد میں ہو سکتا ہے۔ اخوان ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں، ربط ضبط بڑھاتے ہیں اور اپنی زندگی کے مسائل اور دوسری عام و خاص باتوں سے واقفیت پیدا کرتے

ہیں۔جہاں تک میں جانتا ہوں۔یہ بات کسی دوسری موجودہ جماعت کو حاصل
نہیں۔ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ایہا الاخوان! میں تمہیں صاف صاف کہہ دوں کہ اس سچی اخوانی وحدت
نے غرور سے میرا سر اونچا کر دیا ہے اور اس مضبوط ربّانی ارتباط پر میں
فخر محسوس کرتا ہوں۔میں تمہارے مستقبل کے بارے میں بہت پُرامید ہوں،
بشرطیکہ تم اسی طرح اللہ کی راہ میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے مخلص و
مددگار بنے رہو۔اپنی اس وحدت و یک جہتی کو ہاتھ سے نہ دو۔یہی تمہارا
ہتھیار اور یہی تمہارا زادِ راہ ہے۔

بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ الاخوان دعوت و تبلیغ کے لیے اتنے
مصارف و اخراجات کا بار کیسے برداشت کرتے ہیں جو غریب تو غریب
مال دار طبقے کے بھی بس سے باہر ہیں۔یہ لوگ جان لیں اور ان کے علاوہ
سب ہی کھلے کانوں سن لیں کہ الاخوان المسلمون اس بات سے بھی دریغ نہیں
کرتے کہ دعوت کے لیے اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر ایثار کریں،
گاڑھے پسینے کی کمائی اس راہ میں بہا دیں اور تعیّشات اور غیر ضروری
اخراجات تو ایک طرف، زندگی کی لازمی ضروریات تک کو پسِ پشت ڈال
دیں۔اوّل روز ہی جب کہ انہوں نے یہ بار اپنے کندھوں پر لیا تھا، وہ یہ
جان گئے تھے کہ کتنی اہم ذمہ داری اپنے سروں پر لے رہے ہیں۔وہ ایک
ایسی دعوت کے علَم بردار ہو رہے ہیں جسے جان و مال سے کم کی قربانی قبول

نہیں۔ اللہ کے لیے انہوں نے سارے دنیوی بندھن توڑ دیئے اور اس ارشادِ ربانی کو اپنے دماغوں میں بٹھا لیا کہ :۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ (التوبہ)

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

اس معاملہ بیع کو انہوں نے قبول کر لیا اور پوری خوش دلی کے ساتھ اپنی متاع حاضر کر دی۔ اس بات پر پورا پورا یقین رکھتے ہوئے کہ فضل و کرم اللہ کے ہاتھ ہے۔ اپنی ملک پر وہ پوری طرح مطمئن ہیں اور غیروں کی املاک کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ ان کی مختصر سی پونجی میں اللہ نے برکت دی اور اس تھوڑے سے انہوں نے بہت زیادہ ثمرات حاصل کیے۔

ایہا الاخوان! آج تک مکتب ارشاد عام نے کسی حکومت سے بھی کوئی اعانت قبول نہیں کی۔ وہ اس پر فخر کرتا ہے اور پورے چیلنج کے ساتھ کہتا ہے کہ اس مکتب کے خزانہ میں ارکان کے سوا کسی اور کی جیب سے ایک قرش بھی نہیں آیا۔ یہی ہم چاہتے بھی ہیں اور ارکان یا ہمدردوں کے سوا کسی اور سے ہم کچھ قبول بھی نہیں کرتے۔ حکومتوں پر تو ہم کسی معاملہ میں بھی تکیہ نہیں کرتے۔ تمہیں چاہیے کہ حکومت کو اپنے کام اور پروگرام سے بالکل ہی خارج کر دو۔ نہ اس کی طرف دیکھو، نہ اس کے آلۂ کار بنو۔

واسئلوا اللہ من فضلہ

اور مانگو اللہ سے اس کا فضل بیشک اللہ

إن اللہ کان بکل شیءٍ علیما۔(النساء)   کو ہر چیز معلوم ہے۔

ایہا الاخوان! یہ آپ کی دعوت کی چند خصوصیات تھیں، جو آج کے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مَیں نے آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ اس کے بعد مَیں دعوت کے بعض اہم گوشوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، جن کے بارے میں الاخوان کا موقف بہت سے لوگوں پر واضح نہیں۔ بلکہ بہت سے اخوان بھی ان سے پوری طرح واقف نہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج ہم ایسے تمام امور کی، جن میں کچھ بھی ابہام رہ گیا ہو، صاف صاف تعیین کر لیں اور انہیں کھول کر رکھ دیں۔

مقصد اور طریقِ کار

برادرانِ کرام! مَیں سمجھتا ہوں کہ میری اس طویل گفتگو سے آپ نے الاخوان کے مقاصد اور وسائل پوری طرح سمجھ لیے ہوں گے۔

الاخوان کی کوششوں کا مقصود و مطلوب بس یہ ہے کہ:

"مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے اس درجہ آشنا کر دیا جائے کہ وہ قومی زندگی کے سارے گوشوں کو اسلام کے رنگ میں رنگ دیں" صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے جو طریقِ کار اختیار کیا ہے، وہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ:

"رائے عام کو بدلا جائے اور دعوت کے علمبرداروں کی تعلیماتِ اسلامی کی روشنی میں ایسی تربیت کی جائے کہ وہ اسلام سے گہری وابستگی اور اس کے سارے احکام کو اپنانے میں، دوسروں کے لیے نمونہ بن سکیں"

الاخوان نے اپنے اس مقصد کی خاطر متعین طریقِ کار کی حدود میں اس طرح کام کیا اور مستقل مزاجی کے ساتھ آگے بڑھتے گئے کہ اب وہ کامیابی کے یک گونہ اطمینان بخش درجہ تک پہنچ گئے ہیں، اور اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اتنی وضاحت کے بعد اس سلسلے میں مزید شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں۔

الاخوان اور تشدد وانقلاب

اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ: "کیا الاخوان المسلمون اپنے مطلوب کو پانے اور مقصود کو پہنچنے کے لیے قوت کا استعمال کریں گے؟ اور کیا وہ مصر کے موجودہ سیاسی یا اجتماعی نظام کے خلاف عام بغاوت وہیجان پیدا کرنے کا بھی کوئی ارادہ رکھتے ہیں؟"

میں چاہتا ہوں کہ آج کے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، حقیقتِ حال پوری وضاحت سے پیش کر دوں، تاکہ ان لوگوں کی حیرانی و سرگشتگی دور ہو جاتے۔ سننے والے سُن لیں کہ: جہاں تک قوت کا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اسلام کا شعار ہے۔ اور اسلام کے ہر نظم اور ہر قانون میں اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم صاف صاف اعلان کرتا ہے:-

واعدوا لهم ما استطعتم	اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ
من قوة ومن رباط الخيل	جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں
ترهبون به عدو الله و	سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے
عدوكم۔ (الانفال)	دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "المؤمن القوی خیر من المومن

الضعیف، قوی مسلمان کم زور مسلمان سے بہتر ہے"۔ دعاؤں تک سے، جو خشوع اور مسکنت کی مظہر ہیں۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قوت ہی اسلام کا شعار ہے۔ اس دعا کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دعا تھی، اور جس کی تعلیم انہوں نے صحابۂ کرام کو بھی دی تھی۔

اَللّٰھم انی اعوذبک من الھم والحزن واعوذبک من العجز والکسل واعوذبک من الجبن والبخل واعوذبک من غلبۃ الدَّیْنِ وقھر الرجال۔	بار الٰہا! میں غم اور حزن سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ عاجزی اور کاہلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بزدلی اور کنجوسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ قرض کی مغلوبیت اور لوگوں کے قہر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

غور کیجیے کہ ان دعاؤں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ضعف کے ایک ایک مظہر سے پناہ مانگی ہے۔ غم وحزن کے الفاظ سے ارادہ کے ضعف سے پناہ مانگی ہے۔ عاجزی اور کاہلی کے الفاظ سے قوتِ عمل کے ضعف سے پناہ مانگی گئی ہے۔ بزدلی اور کنجوسی کے الفاظ سے جیب اور مال کے ضعف سے پناہ مانگی گئی ہے۔ قرض اور قہر رجال کے الفاظ سے عزت اور بزرگی کے ضعف سے پناہ مانگی گئی ہے۔

پھر کیا آپ ایک ایسے شخص سے جو ایسے دین کا پیرو ہو، اس بات کی توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے ہر کام میں قوی نہیں ہوگا اور قوت کو اپنا شعارِ عمل نہیں بنائے گا۔ اس نقطۂ نظر سے الاخوان المسلمون کے لیے ضروری ہے

کہ وہ قوی ہوں اور قوت کو اپنا شعار عمل بنائیں۔

لیکن الاخوان المسلمون فکر و عمل کی سطحیت پر ریجھ جانے والے بھی نہیں، بلکہ وہ گہری فکر اور وسیع نظر کے حامل ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی چیز کی گہرائیوں میں ڈوب کر نہ دیکھیں۔ نہ یہی ممکن ہے کہ وہ اپنے مقصود اور حاصل ہونے والے نتائج کا صحیح صحیح موازنہ نہ کریں۔ وہ جانتے ہیں کہ قوت کے مختلف مدارج ہیں۔ ان میں اوّلیت عقیدہ و ایمان کی قوت کو حاصل ہے۔ اس کے بعد وحدت و ارتباط کی قوت ہے۔ ان دونوں کے بعد زورِ بازو اور قوتِ اسلحہ کا درجہ ہے۔

جب تک ان مکمّل معنوں میں قوت حاصل نہ کر لی جائے، کسی جماعت کا قوت کو اپنا وصف قرار دے لینا صحیح نہیں۔ اگر وہ ایسے حالات میں اسلحہ کی قوت اور زورِ بازو سے کام لے گی کہ اس کا اندرونی نظم درہم برہم ہے۔ آپس میں ربط و ہم آہنگی نہیں یا عقیدہ کمزور اور ایمان بجھا ہوا ہے تو وہ سیدھے ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گی۔

اس کے علاوہ ایک اور پہلو سے بھی اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ قوت اسلام کا شعار ہے۔ لیکن کیا اس نے ہر موقع اور ہر حال میں قوت سے کام لینے کا حکم دیا ہے؟ یا اس کے کچھ حدود مقرر کر دیئے ہیں۔ کچھ شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا ہے اور محدود حیثیت سے ہی قوت کو کام میں لایا جا سکتا ہے۔

اس معاملے کا تیسرا غور طلب پہلو یہ ہے کہ قوت مرض کے علاج کی ابتدائی صورت ہے یا یہ داغنے کی قسم کا طریقِ علاج مرض کے آخری مرحلے میں کام میں لایا جائے۔ اور کیا انسان قوت کے استعمال کے نفع بخش اور ضرر رساں پہلوؤں کا صحیح موازنہ کر کے اور ظروف و حالات کو دیکھ کر اسے کام میں لائے، یا نتائج کی پروا کئے بغیر ہر حال میں قوّت استعمال کرے۔

یہ چند پہلو ہیں جس پر اخوان قوت کے استعمال سے قبل غور کر لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ "تشدّد اور انقلاب" تو قوت کے استعمال کی آخری حد اور اس کا بھیانک نمونہ ہے، اس لیے الاخوان اس پر زیادہ گہری نظر سے غور کرتے ہیں۔ بالخصوص جب کہ اس کا تعلق مصر جیسے ملک سے ہو جو ان کا وطن ہے۔ مصر آج مختلف انقلابی تجربوں سے گزر چکا ہے۔ ان انقلابات نے اسے کیا دیا؟ اور کس طرح وہ ان سارے تجربوں کے بعد بھی تہی دست ہی رہا؛ یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت ہے۔

ان مختلف پہلوؤں اور اندازوں کو پیش کرنے کے بعد، اب میں صاف الفاظ میں جواب دیتا ہوں کہ "الاخوان المسلمون قوتِ عملی سے اسی وقت کام لیں گے جب کہ اس کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ ہو، اور جب انہیں یقین ہو جاتے کہ انہوں نے ایمان اور وحدت وارتباط کی قوت قابلِ لحاظ حد تک فراہم کر لی ہے۔ وہ قوت سے کام لیں گے بھی تو پوری اخلاقی شرافت کے ساتھ اور اندرونی دسیسہ کاریوں کے بجائے اعلان وصراحت

کے ساتھ۔ پہلے وہ فریضۂ انذار ادا کریں گے، اس کے بعد اس کے نتیجے کا انتظار کریں گے، پھر جب آگے بڑھیں گے تو پورے عزت و وقار کے ساتھ اور اپنے اس موقف کے نتائج کو پوری خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے۔

لیکن جہاں تک "متشددانہ انقلاب" کا تعلق ہے، الاخوان اس بارے میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ کسی حال میں اس طریق کار پر اعتماد نہیں کرتے اور نہ اس کا نفع بخش اور نتیجہ خیز ہونا انہیں تسلیم ہے۔ یوں وہ اگرچہ مصر کی ہر حکومت سے صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر حالات کی یہی رفتار رہے گی، اصحاب امران کے علاج کی تدبیر نہیں سوچیں گے اور اصلاح حال کے لیے کوئی فوری قدم نہیں اٹھائیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ متشددانہ انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں الاخوان کا ہاتھ ہوگا یا ان کی دعوت ایسے نتائج پیدا کرے گی بلکہ یہ حالات کا دباؤ، واقعات کا تقاضا اور اصلاح سے گریز کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ مشکلات کی یہ پیچ در پیچ گتھیاں جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ زیادہ پیچیدہ ہوتی جارہی ہیں اور سلجھنے کے بجائے اس کی الجھنوں میں اور اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اصل میں خطرے کی گھنٹیاں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہماری قومی زندگی کے کھیون ہار اس کو سمجھیں اور ناؤ کو پار لگانے کی کوشش کریں۔

الاخوان اور حکومت و اقتدار

ایک اور گروہ ہم سے پوچھتا ہے کہ کیا الاخوان المسلمون کے پروگرام میں حکومت و اقتدار بھی داخل ہے؟ کیا وہ اس کے حصول کی جدوجہد کریں گے؟ اس کے لیے انہوں نے کیا ذرائع اختیار کئے ہیں؟

میں چاہتا ہوں کہ اس گروہ کی حیرانی کو بھی رفع کر دوں، اور پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ ان کی تشفی کر دوں۔

جیسا کہ آپ سب سمجھتے ہیں، اور جیسا کہ خود "الاخوان المسلمون" کے نام کی ترکیب ہی ظاہر کرتی ہے، الاخوان المسلمون اپنے تمام اقدامات، پروگراموں اور اسکیموں میں اسلامی حدود کے پورے پورے پابند ہیں۔ یہ اسلام — جس پر الاخوان ایمان رکھتے ہیں — حکومت کو بھی اپنا ایک رکن قرار دیتا ہے۔ وہ "تنفیذ احکام" کو بھی اسی طرح ضروری قرار دیتا ہے جس طرح تبلیغ و ارشاد کو۔ آج سے بہت پہلے ہی اسلام کے خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

ان اللہ لیزع بالسلطان ما لایزع بالقرآن۔ — اللہ تعالیٰ حکومت و اقتدار سے ان امور کی تنظیم کرتا ہے جن کی تنظیم مجرد قرآن سے نہیں ہوتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "حکومت" کو سلسلہ اسلام کی ایک اہم کڑی شمار

کیا ہے۔ اور ہماری فقہی کتابوں میں بھی "حکم" کو عقائد و اصول میں گنا جاتا ہے نہ کہ امور فرعیہ میں۔

پس اسلام اسی طرح حکم و اقتدار ہے، جس طرح وہ تشریع و تعلیم، یا قانون و قضاء ہے۔ ان میں سے کوئی ایک شعبہ بھی دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی مصلح اسلام اپنے لیے صرف فقہ و ارشاد کا شعبہ پسند کرے، احکام کا استنباط کرتا رہے، تعلیمات کو پیش کرتا جائے، اصول و فروع کی بحثوں میں پڑا رہے اور ارباب حکومت کو اپنے حال پر چھوڑ دے کہ وہ اللہ کے احکام کے خلاف، قوم کے لیے قوانین وضع کریں اور قوت کے زور سے اسے نافذ کریں تو اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مصلح کی آواز صدا بصحرا ہو کر رہ جائے گی یا بقول کسے راکھ میں پھونک مارنے کی مثال ہوگی۔

مصلحین اسلام کا وعظ و ارشاد پر قناعت کیے رہنا ایسے وقت میں تو کچھ سمجھ میں بھی آسکتا ہے جب کہ حکومت احکام الٰہی پر کان دھرنے والی، انہیں نافذ کرنے والی اور ہر کام میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف رجوع کرنے والی ہو۔ لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ اسلامی قوانین حوالۂ طاق نسیاں ہیں اور مروجہ قوانین کو ان سے کوئی علاقہ ہی نہیں۔ ان حالات میں مصلحین اسلام کا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور حکومت و اقتدار کے لیے کوئی اقدام نہ کرنا، صریح اسلامی جرم ہے۔ اس جرم کے داغ کو دھونے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اٹھیں، آگے بڑھیں اور اقتدار

کی باگ ان اسلام سے برگشتہ عناصر سے چھین لیں۔

یہ ایک واضح اور اصولی بات ہے، جو ہم اپنے دل سے گھڑ کر نہیں، بلکہ اسلام حنیف کے احکام کی پابندی میں کہہ رہے ہیں۔

اس اصول کی بنیاد پر الاخوان المسلمون حکومت و اقتدار کا مطالبہ بھی کچھ اپنے لیے نہیں کرتے۔ اگر وہ قوم میں ایسے لوگوں کو پائیں، جو اس بار کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں، اور ادائے امانت کی ان میں اہلیت ہو، اور قرآنی اور اسلامی طریق پر حکومت چلانا چاہتے ہوں تو وہ ان کے لیے رضاکار اور اعوان و انصار بن کر کام کریں گے۔ لیکن اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو حکومت و اقتدار کا حاصل کرنا ان کے طریق میں شامل ہوگا۔ اور اقتدار کی باگ کو ہر غاصب حکومت کے ہاتھوں سے چھیننے کے لیے اقدام کریں گے۔

لیکن ساتھ ہی الاخوان ایسے بے عقل اور غیر ذی ہوش بھی نہیں کہ وہ قوم کی اس بے مائگی اور پس ماندگی کی حالت میں، حکومت و اقتدار حاصل کرنے کے لیے اقدام کریں۔ اس کام کے لیے لازمی طور پر ایک ایسے وقفے سے گذرنا پڑے گا جس میں الاخوان کے اصول و مبادی پوری طرح پھیل جائیں اور رائے عامہ پر چھا جائیں۔ عوام الناس جان لیں کہ عوامی مصالح کو کس طرح ذاتی فائدوں پر مقدم رکھا جائے۔

اس مقام پر ایک ضروری بات گوش گذار کر دوں کہ الاخوان المسلمون کسی معاصر حکومت کو بھی —— خواہ موجودہ برسر اقتدار حکومت ہو، خواہ وہ جو

اس سے قبل قائم تھی، یا ان کے علاوہ کسی اور پارٹی کی حکومت —— کسی کو بھی وہ ایسی نہیں پاتے جو اس بارِ گراں کی متحمل ہو سکے، یا جو اپنے اندر اسلامی فکر کو اپنانے اور اس کے لیے کام کرنے کی صحیح استعداد ظاہر کرے۔ ان حالات میں قوم کا فرض ہے کہ وہ صورتِ حال کا پوری طرح شعور پیدا کرے، اور اربابِ حکومت سے اپنے اسلامی حقوق کا مطالبہ کرے۔ الاخوان المسلمون کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے فرض سے غافل نہ ہوں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا گمان ہے:۔ الاخوان المسلمون اپنی دعوت کے کسی دور میں، حکومت کے آلۂ کار اور اپنے مقصد کے خلاف، دوسروں کے اشاروں پر ناچنے والے رہے ہیں۔ لیکن یہ گمان سرتاسر غلط اور بے سروپا ہے۔ اخوان یا غیر اخوان سے جو کوئی اس غلط گمان میں گرفتار رہے وہ ہماری پیش کردہ حقیقتوں کو خوب ذہن نشین کر لے۔

الاخوان اور دستورِ مصر

اسی طرح ایک اور گروہ ہم سے پوچھتا ہے کہ "دستورِ مصر" کے بارے میں الاخوان المسلمون کا کیا موقف ہے۔ یہ سوال خاص طور پر اس وقت سے چھڑا ہے، جب کہ برادر مکرم صالح آفندی عشماوی نے اپنے 'مجلۃ النذیر' میں اس موضوع پر مقالہ لکھا اور اس کے بعد اخبار 'مصر الفتاۃ' نے اس تحریر پر نقد و موازنہ شائع کیا۔ آج کا یہ موقعہ انتہائی موزوں اور مناسب ہوگا کہ میں آپ حضرات کے آگے دستورِ مصر کے بارے میں الاخوان کا موقف پیش کر دوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم سب سے پہلے دستور اور قانون کے فرق کو ملحوظ رکھیں۔ دستور وہ کلّی نظامِ سلطنت ہوتا ہے جو حدود و اختیارات کی تعیین کرتا ہے، حکومت کے فرائض و واجبات اور رعایا سے ان کے تعلق کی وضاحت کرتا ہے۔ 'قانون' وہ ہے جو افراد کے باہمی تعلقات کی تنظیم کرتا ہے، ان کے روحانی اور مادّی حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے تمام کاموں کی نگرانی اور ان کا محاسبہ کرتا ہے۔ اس توضیح کے بعد کسی بھی دستورِ سلطنت اور خاص طور پر دستورِ مصر کے بارے میں ہمارا موقف بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی تحقیق کرنے والا مصر کے دستورِ سلطنت کے مبادی پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملخصاً ہر قسم کی شخصی آزادی، حکومت

بطریقِ شوریٰ، اربابِ حکومت کی قوم سے استمداد، حکومت کی عوام کے آگے جواب دہی، عوام کا ان کے اعمال پر محاسبہ کرنے کا حق، اور ہر ایک کے حدود اختیار کی صراحت پر مشتمل ہے۔ یہ اصول ایسے ہیں جو ایک سلطنت کی حیثیت سے اسلام کی تعلیمات، اس کے نظم اور قواعد سے پوری طرح مطابق ہیں۔

اس لیے اخوان المسلمون یہ مانتے ہیں کہ مصر کا دستورِ سلطنت، دنیا کے تمام موجودہ دساتیر کی نسبت اسلام سے زیادہ قریب ہے۔ وہ کسی دوسرے دستور کو اس کے ہم پلّہ بھی نہیں قرار دے سکتے۔

اس کے بعد دو پہلو اور ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ وہ نصوص و عبارات دیکھی جائیں جس کے قالب میں ان اصول و مبادی کو ڈھالا گیا ہے، دوسرے ان اصول و مبادی کے طریقۂ تطبیق پر غور کیا جائے، جس سے نصوص کی عملی تعبیر سمجھ میں آتی ہے۔

دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سیدھے سادے سلامت پسندانہ اصولوں کو بڑی مبہم اور پیچیدہ عبارتوں میں ادا کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی سلامت پسندی پر ضرب لگانے اور ان کی اصولیت پسندی ہی کو ختم کر دینے کی بڑی گنجائش پیدا ہو گئی ہے۔ اور جہاں ظاہر اور واضح عبارتوں میں بھی کسی اصول کو پیش کیا گیا، وہاں اس کی ایسی غلط تطبیق دی جاتی ہے، ایسے غلط طریقوں سے اس کو نافذ کیا جاتا ہے اور اس طرح اس کو اپنی اغراض و خواہشات کا کھلونا بنایا جاتا ہے کہ جو کچھ اس سے فائدے کی امیدیں ہو سکتی

تھیں، وہ بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر ایک ضرورت تو یہ ہے کہ دستور مصر کے ایسے نصوص، جو الاخوان کے خیال میں مبہم اور غامض ہیں اور اس ابہام اور غموض کی وجہ سے ارباب اقتدار کے لیے اغراض و خواہشات کے مطابق تاویل و تفسیر کا اچھا خاصا میدان پیدا ہو گیا ہے، واضح کر دیے جائیں اور ان کی ایسی تحدید کی جائے کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارا طریقۂ تنفیذ، جس پر دستور کو منطبق کیا جاتا ہے اور جس سے دستور کے عملی ثمرات و فوائد حاصل ہونے کی توقعات کی جاتی ہیں، اب تک کے تجربات میں سرتاسر ناکام اور غلط ثابت ہو چکا ہے۔ قوم نے اس سے فائدے کے بجائے ہمیشہ نقصانات ہی اٹھائے ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں بدلا جائے اور انہیں ایسے موزوں کر دیا جائے کہ مقصود پیدا ہو۔

اس امر کی وضاحت کے لیے ایک قانونِ انتخاب ہی کی مثال کافی ہے۔ اس کے ذریعہ سے ہم اپنے ان نمائندوں کو چنتے ہیں جو رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور جو دستور کی تنفیذ اور اس کی حمایت کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس قانون نے قوم میں جو عداوت اور باہمی کشمکش پیدا کی اور اس کے نتیجے میں جو نقصانات واقع ہوئے وہ ایک محسوس حقیقت ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ میں تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کریں اور اس قانون کو بدل دیں۔ ان ہی وجوہ کی بناء پر الاخوان المسلمون اپنی بساط بھر کوشش کرتے ہیں کہ

ایک تو دستور مصر کے مبہم نصوص کی توضیح و تحدید ہو جاتے اور دوسرے طریقہ تنفیذ کو بدلا جائے۔

میرے خیال میں اس توضیح سے الاخوان کا موقف اچھی طرح واضح ہو سکے گا اور ہر چیز کو اس کی صحیح حیثیت سے دیکھا جا سکے گا۔ الاخ صالح آفندی عشماوی نے اپنے مقالے میں چاہا تھا کہ الاخوان کے تنقیدی نقطۂ نظر کی وضاحت کر دیں اور اس میں انہوں نے بہت شدت برتی۔ ہم نے انہیں بتایا کہ فی الاصل ہمارا یہ موقف نہیں ہے، اس لیے کہ ہم دستور کے بنیادی اصولوں کو تو مانتے ہیں۔ دستور کے یہ بنیادی اصول نہ صرف نظام اسلامی کے موافق بلکہ اسی سے ماخوذ ہیں۔ البتہ ہماری تنقید اس کے ابہام اور طریقہ تنفیذ پر ہے۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے دوسرے مقالے کے ذریعہ اس کی وضاحت کر دیں اور الاخوان کے تعلق سے بات کو صحیح حیثیت سے پیش کریں۔ لیکن اس میں انہوں نے کچھ زیادہ نرمی برتی۔ دونوں حیثیتوں میں وہ مستحق اجر ہیں اس لیے کہ وہ ہر حال میں خیر و صلاح چاہتے تھے اور ان کی نیت بخیر تھی اور انسان کے مقام کا دار و مدار اس کے ظاہری عمل سے زیادہ نیت پر ہے۔

ہم ان لوگوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے صالح افندی کے اس موقف پر گرفت کی۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں صالح آفندی کے لیے یہ چیز کچھ نقصان کا باعث نہیں ہوئی کہ انہوں نے اس سے استفادہ کیا اور ہر حال میں اعتدال کو ملحوظ رکھا۔ میرے خیال میں اس توضیح کے بعد کسی مزید اعتراض

کی گنجائش باقی نہیں رہی تفصیلی مثالیں، مکمل دلائل اور علاج و اصلاح کے طریقے انشاء اللہ ہم ایک علیحدہ رسالے میں بیان کریں گے۔

الاخوان اور قانون

عرض کر چکا ہوں کہ دستور اور قانون دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ دستور
کے بارے میں الاخوان کے موقف کی وضاحت کے بعد اب میں آپ
حضرات کے آگے قانون کے بارے میں الاخوان کا موقف پیش کرنا
چاہتا ہوں۔

اسلام ایسا دین نہیں جو قوانین و احکام سے تہی دامن ہو، بلکہ حقیقت یہ
ہے کہ اس نے بہت سے قانونی اصول بلکہ جزئیات تک کی وضاحت کر دی
ہے۔ خواہ وہ امور مادّی ہوں یا تعزیری، امور تجارت سے متعلق ہوں یا بین
الاقوامی مسائل سے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ ان معنوں میں بہت فیاض
ہیں۔ فقہاء کرام کی تصانیف بھی ہر شعبۂ زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے والی
اور کافی و وافی ہیں۔ غیروں تک کو اس حقیقت ـــ یعنی اسلام کی جامعیت
ـــ کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ ہیگ کی بین الاقوامی کانفرنس نے۔ تمام قوموں
کے قانون دان نمائندوں کے سامنے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا تھا۔

یہ سخت نامعقول اور سمجھ میں نہ آنے والی بات ہو گی کہ امت اسلامیہ
کا قانون ان کے دین کی صریح تعلیمات، قرآن کے واضح احکام اور نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے عملی نمونے کے صریح تناقض اور خدا اور رسول کے احکام پر یکسر خط

نسخ پھیر دینے والا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم وان کثیرا من الناس لفاسقون ۔ افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکماً لقوم یوقنون (المائدہ)

اور یہ کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر۔ پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچائے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان۔ اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے۔

اور یہ تنبیہ اللہ کے اس کھلے ہوئے حکم کے بعد ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون — والظالمون — والفاسقون۔ (المائدہ)

اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر۔ سو وہی لوگ ہیں ظالم — سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

اب اس مسلمان کی پوزیشن پر غور کیجیے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ارشادات

پر صدق دل سے ایمان لاتا ہے۔ ان آیات بیّنات اور اسی مضمون کی دوسری احادیث کو دیکھتا ہے، لیکن اپنے آپ کو ایسے قوانین کا محکوم پاتا ہے، جو ان کے نہ صرف متناقض بلکہ ان پر یکسر خطِ نسخ پھیر دینے والے ہوتے ہیں۔ جب وہ ان کی ترمیم کا مطالبہ کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ غیر قوموں کے لیے یہ گوارا نہیں ہوگا اور وہ اس کی تائید نہیں کریں گے۔ پھر ایک ہی سانس میں اس تنگی و مجبوری کے اعتراف کے باوجود یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "مصری آزاد و خود مختار ہیں" اور حال یہ ہے کہ انہیں مذہبی آزادی تک حاصل نہیں، جو ایک مقدس آزادی ہے۔

علاوہ بریں، جہاں ہمارے یہ بنائے ہوئے قوانین، دین اور اس کے نصوص سے متصادم ہوتے ہیں، وہیں ہمارے اپنے بنائے ہوئے دستور سے بھی ٹکراتے ہیں، جس میں صاف طور پر اس کا اقرار کیا گیا ہے کہ "ریاست کا دین اسلام ہے"۔ ہمارے بوجھ بجھکڑ بتائیں کہ ہم آخر ان دو چیزوں میں کس طرح تطبیق دیں۔

ایک طرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زنا کو حرام قرار دیتے ہیں، سود سے روکتے ہیں، نشہ کی ممانعت کرتے ہیں، اور جوئے کو مٹاتے ہیں تو دوسری طرف قانون زانیہ اور زانی کی پشت پناہی کرتا ہے۔ سود کو لازم قرار دیتا ہے، شراب اور نشہ کو جائز کرتا ہے، اور جوئے کو منظم کرتا ہے۔ ایک مسلمان اس عجیب و غریب موقف میں آخر کیا طرزِ عمل اختیار کرے۔ کیا

اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے حکومت اور اس کے قانون کی نافرمانی کرنا چاہیے ؟ کہ اللہ ہی کی ذات خیر و ابقیٰ ہے ، یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے حکومت کا تابع فرمان بنے؟ اور نتیجتہً دنیا اور آخرت میں شقاوت و نامرادی مول لے ۔ ہم عزت مآب وزیر اعظم و وزیر عدالت اور علماء کرام سے اس کا جواب چاہتے ہیں ۔

الاخوان المسلمون قطعاً ایسے قانون کی تائید نہیں کر سکتے اور نہ کسی حال میں اسے گوارا کر سکتے ہیں ۔ وہ جلد ہی اس سلسلے میں ہر ذریعے کو کام میں لاتے ہوئے اپنی امکانی کوشش کریں گے کہ اس کے بجائے اسلام کا عادلانہ اور فاضلانہ قانون رائج ہو ۔ ہم اس موقع پر ان شبہات کی تردیدی بحث میں نہیں جائیں گے جو اس سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں ، نہ ان رکاوٹوں کے اندیشوں کی وضاحت کا یہ موقع ہے ، جو ہماری راہ میں حائل سمجھے جاتے ہیں بلکہ ہم اپنے گزشتہ اور آئندہ موقف کی تفصیل سے وضاحت کے بجائے ، راہ کی ہر گھاٹی کو پھاند کر ، اور ہر مشکل کو چیر کر آپ سے آپ ہر شبہ کا ازالہ کر دیں گے ۔

حتیٰ لاتکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ (البقرہ)

یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدائے تعالیٰ کا ۔

الاخوان المسلمون نے عزت مآب وزیر عدالت کی خدمت میں اس موضوع پر ایک واضح یادداشت پیش کی تھی ، جس کے آخر میں انہوں نے حکومت کو متنبہ کیا تھا کہ وہ اس طرح لوگوں کو تنگی و تکلیف میں مبتلا کرنے

سے باز آجائے ۔ ایمان اور عقیدہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی اور قابلِ حفاظت ہے۔ وہ دوبارہ اس مطالبے کو دہرائیں گے اور یہ کوئی ان کی آخری کوشش نہیں ہوگی بلکہ وہ مسلسل کوشش کرتے جائیں گے۔

ویابی اللہ الآ ان یتم نورہٗ
ولو کرہ الکفرون ۔ (التوبہ)

اور اللہ نہ رہے گا بدوں پورا کئے اپنی
روشنی کے اور پڑے برا مانیں کافر۔

اتحاد قومی، اتحاد عربی اور اتحاد اسلامی

اتحادِ قومی، اتحادِ عربی اور اتحاد اسلامی، یہ تین ایسے موضوع ہیں جن پر آئے دن بہت زیادہ خیال آرائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ ان پر ایک اور موضوع اتحاد شرقی کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد زبانی بحث کے علاوہ پورے غور و فکر کے ساتھ بھی اس بات کا موازنہ کیا جاتا ہے کہ ان کے ہونے کا کس قدر امکان ہے، یا اس امکان کی کیا کیا مشکلات ہیں؟ ان سے کس حد تک فائدہ ہوگا، یا نقصان ہوگا تو اس کا کیا اندازہ ہے؟ اور ان میں سے کونسی چیز دوسری چیزوں کے مقابلہ میں اس قابل ہے کہ اس کے نام پر جمع ہوں اور اس کے لیے کام کیا جائے۔ پوچھا جاتا ہے کہ ان مختلف و متضاد خیالات و آراء کے درمیان الاخوان المسلمون کا کیا موقف ہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی ہمارے لیے اس سوال کا جواب دینا زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت الاخوان کی وطنیت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ الاخوان کی اسلامی فکر سے وابستگی ان کے وطنیت سے اخلاص میں مانع ہے۔

پہلے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ ہم اپنے اس قاعدہ کلیہ سے کسی حال نہیں ہٹتے، جس کو ہم نے اپنی فکر کی بنیاد بنایا ہے۔ یعنی یہ کہ ہم ہر حال میں اسلام کی راہ راست کی پیروی کریں گے، اور اس کی تعلیمات کو اپنی مشعل راہ بنائیں گے۔

لہٰذا خود اسلام سے معلوم کیا جانا چاہیے کہ ان امور کے بارے میں اس کا کیا نقطۂ نظر ہے۔

اسلام نے ہر شخص پر یہ ناگزیر فریضہ عائد کر دیا ہے کہ وہ اپنے ملک کی بھلائی کے کام کرے، تن من دھن سے اس کی خدمت میں لگا رہے، اور جس قوم میں وہ رہتا بستا ہے، اس کی بھلائی میں حتی المقدور کوشاں رہے۔ قرابت یا ہمسائگی کے اعتبار سے جو شخص جتنا زیادہ قریب ہو وہ اتنا ہی زیادہ آپ کی خیر خواہی اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ یہاں تک کہ زکوٰۃ کا مال بھی سوائے کسی استثنائی ضرورت کے، قصر کی مسافت سے زیادہ دور منتقل کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اسلام نے قریبی مستحقین کو ترجیح دی ہے۔ اس طرح ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ پہلے اپنے اس مورچے کی حفاظت کرے، جس پر وہ مامور ہے، اس ملک کے کام آئے جس میں وہ پیدا ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان سے زیادہ گہرا اور پختہ وطنی اور کوئی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ابنائے وطن کیلئے بہت زیادہ نفع پہنچانے والا ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ اس پر اللہ رب العالمین کی طرف سے عائد کردہ فرض ہے۔

الاخوان المسلمون تمام لوگوں سے زیادہ اپنے وطن کی بھلائی کے حریص، اور اپنی قوم کی خدمت میں خون پسینہ ایک کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے ملک کے لیے ہر قسم کے عزّ وقار، ترقی وکامیابی اور فلاح ونجاح کے متمنی ہیں۔ خاص طور پر اس لیے کہ مختلف ظروف وحالات کی مساعدت

سے اسے امم اسلامیہ کی امامت وقیادت حاصل ہے۔ مدینہ طیبہ کی محبت
اور اس مقدس شہر سے تعلق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مولد مکہ
مکرمہ کا اشتیاق نہیں چھینا۔ اصیل جب مکہ کی تعریف کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

یا اصیل دع القلوب — اے اصیل دلوں کو بے چین نہ کرو، چھوڑ
تقر — دو کہ دل کچھ تو صبر و قرار پائیں۔

بلال رضی اللہ عنہ اسی جذبہ کے زیر اثر ایک قلبی جوش کے ساتھ گاتے ہیں:

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة — بواد وحولی اذخر وجلیل
وهل اردن یوما میاه مجنة — وهل یبدون لی شامة وطفیل

(کاش میں جان سکتا کہ اس وادی میں جس کے اطراف اذخر[1] اور جلیل[1] آگے ہیں،
ایک رات تو بسر کر سکوں گا۔ کسی دن مجنّہ[2] کی نہر تک میری رسائی ہوگی اور
شامہ[3] اور طفیل[3] کی پہاڑیوں کے منظر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکوں گا۔

الاخوان المسلمون کو بھی اپنے وطن سے محبت ہے، اس لیے وہ
وحدت قومی کے بدل خواہش مند ہیں۔ اس امر میں وہ کسی قسم کا عار محسوس
نہیں کرتے کہ ایک شخص اپنے ملک سے خلوص رکھے، قوم کی راہ میں ہر قسم کے
ایثار و قربانی سے کام لے، اور اپنے وطن کے لیے عزت و سربلندی کا آرزومند

---

[1] و [1] ایک گھاس کے نام جو مکہ معظمہ میں ہوتی ہے۔
[2] ۔ مکہ کے نچلے حصہ میں ایک مقام جہاں بازار لگتا تھا۔
[3] ، [3] مکہ کی دو پہاڑیاں۔

ہو۔ یہ قومیت کے بارے میں ہمارا مخصوص نقطۂ نظر ہے۔

اس کے بعد عربیت کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام حنیف کی ابتدا عربی ہوئی۔ دوسری قوموں تک وہ عرب کے توسط سے پہنچا اس کی کتاب واضح عربی زبان میں نازل ہوئی اور اسلام ہی کے نام پر، اس زمانے میں جب کہ مسلمان مسلمان تھے، مختلف قومیں عربی زبان پر "متحد" ہو گئی تھیں اور اس کو انہوں نے اپنا لیا تھا۔

ایک اثر ہے (اذا ذلّ العرب ذلّ الاسلام (جب عرب ذلیل ہوں تو اسلام ذلیل ہو جاتا ہے)۔ یہی حقیقت ہے جس کی عملی تعبیر ہم اس صورت حال میں دیکھتے ہیں جب عربوں کا سیاسی اقتدار ختم ہو گیا تھا، اور حکومت کی باگ ڈور عجمیوں، دیلمیوں اور دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ اس طرح عرب صرف ایک قوم کا نام نہیں بلکہ یہ اسلام کے سپاہی اور اس کے محافظ ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس مقام پر عربیت کی تھوڑی سی تشریح کر دوں، اور یہ بات واضح کر دوں کہ الاخوان المسلمون عربیت کی وہی تعبیر مراد لیتے ہیں جو تعبیر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ ابن کثیر کی مرویات میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے۔ الا ان العربیة اللسان الا ان العربیة اللسان (خوب سُن لو کہ عربیت زبان کی حیثیت سے ہے۔ پھر سن لو کہ عربیت زبان کا نام ہے)

اس بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے گزشتہ دورِ عظمت کو

وٹانے اس کی حکومت قائم کرنے اور اس کے اقتدار کو منوانے کے لیے "اتحاد عربی" ضروری اور ناگزیر طور پر ضروری ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان پر اتحاد عربی کے لیے کوشش اور اس کی تائید لازم ہے۔ یہ اتحاد عربی کے سلسلے میں الاخوان کا موقف ہے۔

اب ہمیں اتحاد اسلامی کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت کرنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام جس طرح عقیدہ و عبادت ہے، اسی طرح وطن اور نسل بھی ہے۔ اس نے انسانوں کے درمیان تمام دوسرے امتیازات اور نسبتوں کو ختم کر دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انما المومنون اخوۃ (الحجرات) مسلمان تو ہیں سو بھائی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المسلم اخو المسلم۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

المسلمون تتکافأ دماءھم و یسعی بذمتھم ادناھم وھم ید علی من سواھم	مسلمانوں کے خون آپس میں برابر ہیں، ان میں سے کسی چھوٹے کا ذمہ بھی سب کا ذمہ ہے۔ غیروں کے لیے وہ ایک قوت ہیں۔

اس طرح اسلام جغرافی حد بندیوں اور خونی و نسلی تفرقوں کا قائل نہیں، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کو ایک امت مانتا ہے اور تمام اسلامی ملکوں کو ایک وطن شمار کرتا ہے۔ خواہ جغرافی طور پر وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں اور ان کے درمیان کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ رہے۔

اسی لیے الاخوان المسلمون اس اسلامی اتحاد کو بہت مقدس اور واجب الاحترام مانتے ہیں۔ اس دلوں کے جوڑنے والے کلمہ پر پورا پورا یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقاصد کی وحدت اور اسلامی اخوت کے اعزاز کے لیے پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ ان کا نعرہ یہ ہے کہ ہر وہ بالشت بھر زمین جس میں کوئی ایک مسلمان بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا ہو، ان کا وطن ہے۔ الاخوان کے ایک شاعر نے ان ہی معنی میں کہا ہے اور کتنا عمدہ کہا ہے:

ولست ادری سوی الاسلام لی وطنا

الشام فیہ ووادی النیل سیان

وکلما ذکر اسم اللہ فی بلد

عددت ارجاءہ من لب اوطانی

"اسلام کے سوا میں اپنا کوئی اور وطن نہیں جانتا۔ اس معاملہ میں ملک شام اور وادیٔ نیل دونوں میرے لیے یکساں ہیں۔ ہر وہ ملک جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہو، میں اس کے حدود اربعہ کو اپنے وطن میں شمار کرتا ہوں۔"

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نقطۂ نظر دنیا میں پھیلے ہوئے اور کارفرما نقطۂ نظر سے ٹکراتا ہے۔ اس لیے کہ آج دنیا میں ہر طرف رنگ و نسل کے تعصب کا نقطۂ نظر کارفرما ہے۔ اور ساری دنیا نسلی قومیتوں کے تیز دھارے میں بہی جا رہی ہے۔ پوچھا جاتا ہے کہ تم اس بہاؤ کے مقابلے میں کیسے ٹھہر سکو گے۔ جس پر تمام لوگوں نے اتفاق کر لیا ہے، تم اپنے دامن کو اس سے کس طرح بچا سکو گے۔

اس کا صاف جواب یہی ہے کہ سارے ہی لوگ غلطی پر ہیں، اور ان کی غلطی کے نتائج بھی ظاہر اور محسوس ہیں۔ آج قوموں کا امن و چین غارت ہو کر رہ گیا ہے اور عوام ایک قلبی بے چینی اور بے اطمینانی میں گرفتار ہیں۔ یہ ایسے حقائق ہیں کہ اس کے بعد جنسی قومیت کے نظریہ کی غلطی کو واضح کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ طبیب کا کام یہ نہیں کہ وہ مریضوں کی خواہشات کا پابند ہو اور ان کی ہر جائز و ناجائز طلب کو پورا کرتا جائے، بلکہ وہ ان کا علاج کرے گا اور انہیں سیدھا راستہ بتائے گا۔ یہی اسلام کا مشن ہے اور ان کا جن تک اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے۔

بعض اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب خواب و خیال کی باتیں ہیں۔ موجودہ حالات میں ان کے ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ اس راہ میں کوشش لاحاصل، اور اس کے لیے قوت صرف کرنا بے فائدہ ہے۔ کام کرنا مقصود ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس طرح لوگوں کو اسلام کے نام پر جمع کرنے کی لاحاصل کوششوں کے بجائے، اپنی اپنی قوموں کے لیے کام کرو اور اپنے اپنے ملکوں کی حد تک کوششوں کو خاص کر لو۔

یہ باتیں ان لوگوں کی ہیں جن کے حوصلے پست اور جن کی ذہنیتیں شکست خوردہ ہیں۔ ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی قومیں اسی طرح منتشر و پراگندہ تھیں۔ ایک ایک چیز میں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ دین و مذہب، زبان و ادب، شعور و احساس، خوشی و مسرت اور غم و الم کسی میں نہیں

دوسرے سے تعلق نہ تھا۔ایسے میں اسلام نے آکر انہیں ایک کر دیا۔ ان کے منتشر قلوب کو ایک کلمے کے گرد جمع کر دیا۔ آج بھی اسلام اپنے تمام حدود و رسوم کے ساتھ وہی ہے، جیسا کہ پہلے تھا۔ اگر آج بھی اس کے نام لیواؤں میں سے کوئی دعوت کا علم لے کر اٹھے، اور مسلمانوں کے دلوں میں پھر سے اس آگ کو بھڑکائے تو آج بھی وہ پھر سے قوموں کو جوڑ سکتا ہے اور انہیں ویسے ہی یکجان کر سکتا ہے، جیسے کہ اس نے گذشتہ دور میں کیا تھا۔ کسی کام کا اعادہ اس کی ابتدا سے بہر حال آسان ہے۔ ضرورت پھر ایک دفعہ تجربہ کی ہے۔ اور تجربہ ہی اس کے امکان کی سب سے زیادہ وزنی اور سچّی دلیل ہے۔

ان سب کے بعد بعض اور لوگ ہیں جو "اتحادِ شرقی" کی آواز اٹھاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اس نعرے کا محرک مغربی اقوام کے تعصب اور مشرق اور اہلِ مشرق کے بارے میں ان کی تنگ نظری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ مغرب اس معاملے میں سخت غلطی پر ہیں۔ اگر انہوں نے ایسی ہی تنگ نظری برتی تو یہ چیز انہیں لے ڈوبے گی۔ اور انہیں لازماً اس کے وبال سے دوچار ہونا پڑے گا۔

الاخوان المسلمون اتحادِ شرقی کی آواز کو اسی ایک جذبے کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ ورنہ مشرق و مغرب کی ان کے ہاں کوئی تفریق نہیں۔ ان کے نزدیک دونوں یکساں اور ایک ہی حیثیت کے ہوں گے۔ اگر اسلام کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر درست ہو۔ وہ اسی ایک میزان پر تمام لوگوں کو تولتے ہیں اور اسی ایک معیار

پر سب کو پرکھتے ہیں۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ الاخوان المسلمون سب سے پہلے اپنی قومیت کا احترام کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ان کی مطلوبہ ترقی کا بنیادی پتھر، اور ان کے اقدام کا پہلا مرحلہ ہے۔ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ ہر انسان اپنے وطن کے لیے کام کرے اور اس کو دوسری ہر چیز پر مقدم رکھے۔ اس کے بعد وہ اتحاد عربی کی تائید کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ ان کی ترقی کا دوسرا زینہ ہے۔ اس کے بعد وہ اتحاد اسلامی کے لیے کام کرتے ہیں۔ اور اسلام پر سب کو جمع کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اس کو تمام اسلامی ممالک کے بچاؤ کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔

ان سب کے بعد مجھے یہ حقیقت پیش کر دینا چاہیے کہ الاخوان تمام دنیا کے لیے بھلائی چاہتے ہیں اور ایک "عالمی اتحاد" ان کا نعرہ ہے۔ اس لیے کہ یہی اسلام کا مقصود اور مطلوب ہے۔ اور یہی معنی اللہ کے اس ارشاد کے ہیں۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمین۔ (الانبیاء) تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کرکے جہان کے لوگوں پر۔

اس تفصیل کے بعد مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ نقطہ ہائے نظر اس اعتبار سے آپس میں متعارض نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک، ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہے اور ان کے ذریعے ہی آخری مطلوب تک پہنچا جا سکتا ہے۔ دوسری قوموں اور گروہوں کا تو یہ حال ہے کہ جب وہ مخصوص قومیت

کے نعرے کو اپناتی ہیں تو پھر کسی دوسری بات کا انہیں شعور ہی نہیں رہتا۔ لیکن الاخوان المسلمون ان لوگوں میں سے نہیں، ہم میں اور دوسرے لوگوں میں یہی بنیادی فرق ہے۔

الاخوان اور خلافت

غالباً یہ بحث پوری نہ کہی جاسکے جب تک خلافت اور اس سے متعلق امور کے بارے میں الاخوان کا موقف واضح نہ کر دیا جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ الاخوان المسلمون خلافت کو اتحاد اسلامی کی اصل اور مختلف مسلمان قوموں کے درمیان ربطہ تعلق کا مظہر سمجھتے ہیں، جس کو مسلمانوں کی فکر کا اوّلین موضوع بنا رہنا چاہیے اور انہیں اس کا بطور خاص اہتمام ملحوظ رکھنا چاہیے۔ خلیفۂ اسلام میں وہ اہم شخصیت ہے جس سے بہت سارے احکام وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسئلہ خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین پر مقدم رکھا، اور سب سے پہلے اس مہم سے فارغ ہو کر اطمینان حاصل کر لیا تھا۔ امام کے بارے میں جو احادیث اور امامت اور اس کی متعلقہ تفصیلات کے بارے میں جو احکام آئے ہیں، ان کے بعد اس سلسلے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ مسلمانوں کے لیے اس مسئلے پر غور و فکر کرنا اور اس کا اہتمام ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک جب سے کہ خلافت غلط راستوں پر ڈال دی گئی اور بالآخر ختم ہی کر دی گئی، یہ فریضہ مسلمانوں کی گردن پر ہے۔

اسی لیے الاخوان المسلمون خلافت کے نظریے اور اس کے اعادہ کی کوششوں کو اوّلین اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے لیے کئی ایک تمہیدی امور ناگزیر ہیں۔ اعادۂ خلافت کے لیے راست اقدام سے قبل ناگزیر ہو گا کہ کئی ایک مراحل سے ہم گزریں۔ ناگزیر ہو گا کہ تمام اسلامی ملکوں کے درمیان مکمل ثقافتی، اجتماعی اور اقتصادی ربط و تعاون ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ان ملکوں کے درمیان اخلاقی و معاہداتی رشتے استوار ہوں اور جلسے اور اجتماعات ہوا کریں۔ قضیہ فلسطین کے لیے اسلامی ممالک کے نمائندوں کا اجتماع اور ارض مقدس میں عربوں کے حقوق کی پیروی کے لیے اسلامی ممالک کے وفود کا لندن بلایا جانا، یہ دونوں امور اچھے آثار کا پتہ دیتے ہیں[1] اور اس راہ میں آگے قدم بڑھانے کے لیے بہت اہم

---

[1] ۱۹۳۸ء (یعنی اسی زمانہ میں جب کہ یہ خطبہ دیا گیا تھا) قاہرہ میں فلسطین پارلیمنٹری کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ جس میں ہندوستان سے عبدالرحمٰن صدیقی، مولانا حسرت موہانی اور چودھری خلیق الزمان نے شرکت کی تھی یہیں سے ایک وفد مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں لندن کانفرنس بھی روانہ کیا گیا تھا۔ بنّا مرحوم نے اس کانفرنس سے جو توقعات باندھی تھیں، افسوس کہ وہ پوری نہ ہو سکیں اور باوجود کانفرنسوں اور جلسوں کے اتحادِ اسلامی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک بنیادی فکری اتحاد نہ ہو، محض سیاسی اتحاد بے معنیٰ ہے۔ اور کبھی پائدار نہیں ہو سکتا۔ میثاق سعد آباد کی مثال سب کے سامنے ہے۔

اقدامات ہیں۔

اس کے بعد ضرورت ہوگی کہ تمام اسلامی قوموں کی ایک جمعیت بنے۔ یہاں تک کہ تمام مسلمان اس جمعیت پر متفق ہو جائیں۔ تب اس جمعیت کے ذریعہ تمام مسلمانوں کا ایک ایسے "امام" پر اجتماع ہو سکے گا، جو تمام امور کا ذمہ دار، تمام گروہوں اور جماعتوں کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل، آرزوؤں اور تمناؤں کی غایت اور خطۂ ارضی پر اللہ کا سایہ ہوگا۔

الاخوان اور اسلامی جماعتیں

مَیں نے ابھی آپ کے سامنے بہت سے ایسے عام مسائل کے بارے میں جو ان دنوں ہماری قوم کے غور و فکر کا موضوع بنے ہوئے ہیں الاخوان کی رائے اور موقف کی وضاحت کر دی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اسی طرح مصر کی مختلف اسلامی جماعتوں کے بارے میں الاخوان کا موقف واضح کر دوں۔ ملک کے ہر بہی خواہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ تمام جماعتیں آپس میں متحد ہو جائیں اور ایک ایسا محاذ وجود میں آ جائے جو ایک ہی مقصد و غائت کے لیے اور ایک ہی طریقے پر کام کرے۔ یقیناً یہ خواہش ایک اچھی خواہش اور یہ آرزو بہت ہی نیک آرزو ہے۔ ملک کا ہر اصلاح پسند یقیناً یہی تمنا رکھتا ہے۔

الاخوان المسلمون بھی باوجود میدانِ کار کے اختلاف کے، یہ جانتے ہیں کہ یہ تمام جماعتیں، اسلام کی نصرت و حمایت ہی کے لیے کام کر رہی ہیں۔ وہ ان سب کی کامیابی اور ترقی کے آرزومند ہیں۔ ان کے اصول عمل میں یہ بات برابر داخل رہی ہے کہ ان جماعتوں سے نزدیکی پیدا کی جائے اور ان سب کو ایک مشترک نظریے کے گرد جمع کر دیا جائے۔ الاخوان کے چوتھے

سالانہ اجلاس کے موقع پر منصورہ میں اور پچھلے سال اسیوط میں ہم نے یہی تجویز رکھی ہے۔ میں آپ کو یہ خوشخبری سنا دوں کہ مکتب ارشاد نے ان جماعتوں کی طرف سے خاصی گرم جوشی کا اظہار دیکھا، جب اس نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان سے ربط قائم کر کے گفتگو کی یہ چیز انشاء اللہ مستقبل میں ہماری کوششوں کی کامیابی کے لیے ایک فال نیک ہے۔

الاخوان اور الشّبان

لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال بار بار اٹھتا رہتا ہے کہ جماعت الاخوان اور جماعت الشّبان میں کیا فرق ہے؟ یہ دونوں ایک جماعت کیوں نہیں ہو جاتیں اور کیوں نہیں ایک طریق پر کام کرتیں؟

اس سوال کے جواب سے پہلے میں وحدت و تعاون کے خواہشمندوں کے سامنے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ الاخوان اور الشّبان آپس میں کچھ مختلف نہیں۔ بالخصوص یہاں قاہرہ میں وہ محسوس تک نہیں کرتے کہ ان میں کوئی اختلاف ہے۔ بلکہ ان کے درمیان گہرا اور مضبوط ربط و تعاون ہے۔ بہت سے عام اسلامی مسائل میں الاخوان اور الشبان ایک ہی صف میں کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ دونوں کا مقصود ایک اور مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہمارے کام تمام تر اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہوں۔ معمولی سے اختلافات ہیں تو وہ دعوت کے اسلوب، دعوت دینے والوں کے طریق عمل اور ان کی کوششوں کے رنگ میں ہیں۔ میرے خیال میں وہ وقت زیادہ دور نہیں، جب کہ تمام اسلامی جماعتوں کا ایک محاذ وجود میں آجائے گا، اور وہ سب ایک ہی

صف میں کھڑی معلوم ہوں گی۔ وقت آنے پر انشاء اللہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر رہے گا۔[1]

---

[1] حسن البنا مرحوم نے جمعیتہ الشبان المسلمین کے بارے میں بہت رواداری اور حسن ظن سے کام لیا ہے، اور ان کی یہی فراخ دلی تھی کہ الشبان کے تمام اچھے اور پرجوش کارکن آج الاخوان کی صفوں میں نظر آتے ہیں۔ محب الدین الخطیب اور محمود محمد شاکر کا قلم جو کبھی شبان کی دعوت کے لیے وقف تھا، آج دعوت الاخوان کی اشاعت کے لیے اپنے جوہر دکھا رہا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جمعیتہ الشبان ایک نیم سیاسی تہذیبی وثقافتی ادارہ تھی۔ وائی ایم سی اے (Y.M.C.A.) کے خطوط پر خیال تھا کہ ساری دنیا میں اس کا جال پھیلا دیا جائے۔ ڈاکٹر عبدالحمید بک سعید مرحوم اس کے پہلے صدر تھے۔ ان کے زمانہ میں، ان کی شخصیت کے زور پر یہ کچھ نہ کچھ چلتی رہی۔ اگرچہ مکمل اسلامی مزاج اس کا اس وقت بھی نہیں تھا۔ اب صالح حرب پاشا اس کے صدر ہیں اور اس کی ساری سرگرمیاں اسپورٹس کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ یاد رہے یہ وہی جمعیتہ شبان ہے جس کے دفتر کے آگے حسن البنا مرحوم کی حسرتناک شہادت ہوئی تھی۔

الاخوان اور سیاسی جماعتیں

اسلامی جماعتوں کے بارے میں الاخوان کے موقف کی وضاحت کے بعد اب میں چاہتا ہوں کہ سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر واضح کروں۔

الاخوان المسلمون سمجھتے ہیں کہ مصر کی سیاسی جماعتیں خاص ظروف و حالات میں ابھری ہیں، اور کسی اصلاحی غرض و مقصد کے بجائے ان کی پیدائش کے اسباب زیادہ تر شخصی ہیں، جس کی تفصیل سے آپ سب حضرات بخوبی واقف ہیں۔ الاخوان یہ بھی جانتے ہیں کہ ان جماعتوں نے اب تک اپنے پروگرام اور اپنے اصول عمل کو باضابطہ طور پر مرتب بھی نہیں کیا ہے۔ ہر جماعت اس کا دعویٰ کرتی ہے کہ وہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے گی، اور تمام اصلاحی شعبوں کو اپنے دائرۂ عمل میں لے گی لیکن ان کاموں کی تفصیلات کیا ہیں؛ ان کے لیے کیا تیاری کی گئی ہے؟ کام کی راہ میں کن دشواریوں کے اندیشے ہیں؟ اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کیا کیا گیا ہے؟ ان سارے سوالوں کا ان جماعتوں کے اکابر اور ان کے شعبہ ہائے تنظیم کے ہاں کوئی جواب نہیں۔ جس طرح اس کھوکھلے پن میں یہ ساری جماعتیں ایک ہی سی ہیں، ویسے ہی ایک اور چیز میں بھی ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے، وہ ہے اقتدار کی ہوس اور اس کے

لیے جماعتی پروپیگنڈے کے ہر طریقے اور ہر جائز و ناجائز ذریعے کو کام میں لانا، اور جو کوئی ان پارٹی بازوں میں سے ان کی راہ میں کھڑا ہو اسے ہر طرح سے نقصان پہنچانا۔

اسی طرح الاخوان یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ اس جماعت بندی نے لوگوں کی زندگیاں تلخ کر کے رکھ دی ہیں، ساری خوبیوں کا ناس کیا ہے، اخلاق تباہ کر دیئے ہیں، باہمی تعلقات توڑ دیئے ہیں اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے بڑے بُرے اثرات دیکھنے میں آتے ہیں۔

وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کونسلوں میں نمائندگی کا یہ نظام بلکہ پارلیمانی نظام بھی، ان کی اس موجودہ صورتِ حال کے ساتھ جس میں کہ وہ آج کل مصر میں پائی جاتی ہیں اُن کا قطعاً محتاج نہیں۔ ورنہ جمہوری ملکوں میں کبھی مخلوط وزارتیں نہ قائم ہوتیں۔ یہ حجت کہ پارٹیوں کے بغیر پارلیمانی نظام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، ایک بے معنیٰ حجت ہے۔ اس لیے کہ بہت سے دستوری پارلیمانی ممالک ایک جماعتی اصولوں پر چل رہے ہیں، اور یہ ممکن ہے۔

اس کے ساتھ الاخوان یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آزادیٔ رائے اور رائے کے ساتھ تعصب میں بہت بڑا فرق ہے۔ فکر و ضمیر، اظہار و اعلان اور نصیحت و مشورے میں آزادیٔ رائے کو اسلام نے ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن رائے کے تعصب، جماعت سے بغاوت، قوم میں اختلافات کی خلیج کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے اور اقتدارِ حکومت کی عمارت کو ڈھا دینے کی کوششوں کو، جو پارٹی

بندی کے لوازمات ہیں، اسلام سخت ناپسند کرتا ہے اور پوری شدت کے ساتھ انہیں حرام قرار دیتا ہے۔ وہ اپنے تمام قوانین و احکام میں وحدت و تعاون کی طرف بلاتا ہے۔

یہ جماعتوں اور جماعت بندی کے بارے میں الاخوان کے نقطۂ نظر کی اجمالی توضیح ہے۔ اسی بنا پر وہ تقریباً ایک سال سے، تمام جماعتوں کے سرکردہ اصحاب سے اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ اس تُوتُو مَیں مَیں کو چھوڑ دیں اور ایک دوسرے سے مل جائیں۔ انہوں نے ملک کے دو نامور امراء امیر محمد علی[1] اور امیر عمر طوسون[2] کے توسط سے اس قضیہ کو نبٹانا چاہا تھا۔ اسی طرح انہوں نے خود جلالۃ الملک سے بھی اس بات کی درخواست کی تھی

---

[1] امیر محمد علی بن توفیق بن اسماعیل، مصر کے خاندان خدیوی میں زیادہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ علم دوست اور صاحب تصانیف ہیں، پچھلی جنگ عظیم سے قبل ہندوستان کی بھی سیاحت کی تھی۔ موجودہ شاہ فاروق کے چچازاد بھائی ہیں۔ شاہ فاروق کو نرینہ اولاد نہیں تھی، تو یہی ولی عہد تھے۔ اب ان کی عمر ۷۵ سال سے اوپر ہے۔

[2] عمر طوسون بھی خاندان خدیوی کے ممتاز رکن تھے۔ کچھ ہی عرصہ ہوا کہ ان کا انتقال ہو چکا، دینی اور اجتماعی معاملات میں بہت دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اسکندریہ میں شبان کی شاخ کے سرپرست بھی رہے ہیں۔ جہاد طرابلس کے موقع پر انجمن ہلال احمر کے خاص سرپرستوں میں تھے۔

کہ تمام موجودہ پارٹیوں کو توڑ دیا جائے، تاکہ یہ سب ایک عوامی جماعت میں ضم ہو جائیں اور اسلام کی بنیادوں پر قوم کی فلاح کا کام کریں۔

ہو سکتا ہے کہ ماضی میں حالات ایسے سازگار نہ رہے ہوں کہ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ کم از کم سال رواں الاخوان کے نقطہٴ نظر کی صحت و صداقت کا ایک واضح ثبوت ہے۔ جنھیں ان پارٹیوں کے بے فائدہ ہونے میں کسی طرح کا شک رہا ہو وہ آج کے واقعات میں اپنے مکمّل اطمینان کا سامان پا سکتے ہیں۔ الاخوان اس سلسلہ میں مکمل کوشش کرتے رہیں گے۔ اللہ کے فضل و توفیق۔ قوم کی بیداری اور ان جماعتوں کی قیادت کی مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے انشاء اللہ وہ اپنے مطلوب کو پالیں گے، اور اللہ کا یہ قانون یقیناً پورا ہو کر رہے گا کہ:۔

فاما الزبد فیذ هب جفاءً	سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر اور
واما ماینفع الناس فیمکث فے الارض (الرعد)	وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے زمین میں۔

بعض جماعتیں سمجھتی ہیں کہ ہمارا ان باتوں سے مقصود بعض دوسری جماعتوں کے فائدے کے لیے خاص ان کی جماعت کو نقصان پہنچانا ہے، اور اس کے پس پشت کسی خاص منفعت کا لالچ کارفرما ہے۔

مجھے اس نظریہ کی غلطی واضح کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام جماعتیں اسی وہم میں گرفتار ہیں۔ وفد پارٹی کے بیشتر ارکان الاخوان پر

یہ اتہام لگاتے ہیں کہ ان کی (الاخوان کی) خاص اُنھیں سے لڑائی ہے اور
انہیں کی مخالفت میں یہ سرگرم ہیں۔ اس لیے کہ الاخوان جن اوصاف و
خصائص کی نشان دہی کرتے ہیں وہ خاص انھیں کی جماعت پر چسپاں ہوتے
ہیں۔ الاخوان لوگوں کو ان سے متصادم ہونے پر اکساتے ہیں اور ان سے کٹنے
کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض حکومت اور برسراقتدار پارٹیوں
کی خدمت و تقویت ہے۔ بالکل اسی طرح کے الزامات برسراقتدار جماعتوں
کی طرف سے سننے میں آتے ہیں۔ وہ بھی ہم پر اسی طرح کے اتہامات لگاتے
ہیں۔ یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ الاخوان کا ہر سیاسی پارٹی کے
بارے میں ایک ہی نقطۂ نظر ہے اور ان کا یہ نقطۂ نظر ان کے عقیدہ و ایقان
کی بنیاد پر ہے۔ وہ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں اپنے ضمیر کی آواز اور اپنے ایمان کے
تقاضے کی بناء پر اٹھاتے ہیں۔

میں تمام پارٹیوں کے ذمہ دار افراد اور ان کے عام ارکان کو یہ بتا دینا
چاہتا ہوں کہ نہ کبھی دورِ ماضی میں ایسا ہوا ہے کہ الاخوان المسلمون خالص اسلامی
فکر کے علاوہ کسی دوسری فکر کے آلۂ کار رہے ہوں اور نہ کبھی مستقبل میں ایسا ہو
سکتا ہے۔ الاخوان کی کسی بھی پارٹی سے، خواہ وہ کوئی ہو، کوئی خصوصی مخالفت
نہیں، بلکہ وہ مخلصانہ طور پر یہ سمجھتے ہیں اور اس پر انہیں پورا قلبی اطمینان
حاصل ہے کہ مصر اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا اور نہ تباہی سے بچ سکتا
ہے جب تک کہ تمام جماعتیں اور پارٹیاں ختم ہو کر، تمام ملک کی نمائندہ

ایک فعال جماعت نہ بن جائے - جو قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق، قوم کو ترقی و کامیابی کے راستے پر لے چلے -

اسی مناسبت سے یہ بات بھی پیش کر دوں کہ الاخوان پارٹیوں کے وفاق کے نقطۂ نظر کو بھی ایک لاحاصل، و بے نتیجہ نقطۂ نظر سمجھتے ہیں - وہ سمجھتے ہیں کہ یہ "مُسکِّن" ضرور ہے لیکن علاج نہیں - وفاق کے یہ ارکان جلد ہی اس وفاق و اتحاد کا قلادہ اپنے گلے سے اتار پھینک کر ایک دوسرے پر آستین چڑھائیں گے اور پھر ان میں وہ جوتی پیزار شروع ہو جائے گی جو کہ وفاق سے قبل بھی نہ رہی ہو - ان امراض کا صحیح اور تیر بہدف علاج یہی ہے کہ یہ تمام جماعتیں اور پارٹیاں ختم ہو جائیں اور یہ ان کا بڑا احسان ہوگا - وہ اپنا فریضہ پورا کر چکے - اور وہ حالات ختم ہو چکے، جن میں وہ وجہ و پذیر ہوئی تھیں - کہا جاتا ہے لکل زمانٍ دولۃ و رجالٌ، ہر زمانے کی ایک خاص حکومت اور اس کے خاص افراد ہوتے ہیں -

---

الاخوان اور مصر الفتاۃ

موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جماعت مصر الفتاۃ[1] کے بارے میں بھی الاخوان کا موقف پیش کر دیا جائے۔

جماعت اخوان کو قائم ہوئے آج پورے دس سال ہوتے ہیں اور جماعت مصر الفتاۃ پچھلے پانچ سالوں سے قائم ہے۔ اس طرح جماعت اخوان جماعت مصر الفتاۃ سے دگنی بڑی ہے۔ باوجود اس حقیقت کے مصر الفتاۃ کے بعض ممتاز افراد کو بے باکانہ طور پر یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے

---

[1] مصر الفتاۃ مصر کی ایک سیاسی جماعت تھی، جو ۱۹۳۳ء میں قائم ہوئی تھی اور دوسری جنگِ عظیم کے شروع ہوتے ہوتے ختم ہو گئی۔ موجودہ حزب اشتراکی کے صدر احمد حسین اس کے قائد تھے، جن پر نحاس پاشا نے، جب کہ وہ وزیر اعظم تھے، نازیوں سے سازباز کا الزام لگایا تھا، لیکن یہ الزام ثابت نہیں کیا جا سکا یا ثابت کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اس جماعت کے اصول و مقاصد کے بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نری توڑ پھوڑ کرنے والی ایک جماعت تھی۔ ابھی ۲۶ جنوری ۱۹۵۲ء کے ہنگاموں میں بھی احمد حسین پر تخریبی کارروائیوں کا الزام ہے۔ معلوم نہیں یہ کس حد تک درست ہے۔ چنانچہ انہیں قید کر لیا گیا ہے۔

کہ "مصر الفتاۃ ہی نے الاخوان المسلمون کو وجود بخشا اور انہیں کام کے طریقے بتائے۔ مختلف طبقات میں یہ بات بھی پھیلی ہوئی ہے کہ جماعت الاخوان مصر الفتاۃ کی ایک شاخ ہے۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ مصر الفتاۃ کا سارا دارومدار پروپیگنڈے اور اشتہار و اعلان پر ہے اور الاخوان کام اور اس کی نتیجہ خیزی کو ہر دوسری چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ہمارا ان باتوں سے کچھ نہیں بگڑتا۔ ہمارے لیے یہ ایک ہی سی بات ہوگی کہ الاخوان نے مصر الفتاۃ کے آگے جہاد کے طریقے اور اسلام پر عمل کرنے کے اصول رکھے ہوں، یا مصر الفتاۃ نے الاخوان کو لوگوں میں نمایاں کیا ہو، حالانکہ جماعت الاخوان، مصر الفتاۃ سے پورے پانچ سال قبل جتنی کہ مصر الفتاۃ کی خود عمر ہی ہے، وجود میں آئی ہے، اور میدانِ عمل میں قدم رکھا ہے۔ ان نظری باتوں کو الاخوان کوئی اہمیت نہیں دیتے، نہ ان کے ہاں اس کا کوئی وزن ہے۔ یہاں میں جس بات سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ الاخوان المسلمون کسی دور میں بھی مصر الفتاۃ کی صفوں میں شامل نہیں تھے، نہ وہ کبھی اس کے آلۂ کار رہے۔ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ میں مصر الفتاۃ سے یا اس کی دعوت کے علمبرداروں سے اپنا امتیاز ظاہر کرنا چاہتا ہوں یا اپنی بڑائی مقصود ہے۔ بلکہ یہ جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے بطور اظہار واقعہ کے عرض کیا جا رہا ہے۔ جریدہ مصر الفتاۃ نے الاخوان پر نازیبا حملے کیے ہیں اور ان پر غلط الزامات لگائے ہیں۔ اس کے زعم میں الاخوان اس پر ظلم کرتے اور تہمتیں تراشتے ہیں، حالانکہ یہ سراسر خلافِ واقعہ

ہے لیکن ہم الاخوان ان باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دینا چاہتے اور نہ اس پر کسی قسم کا مواخذہ کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی تمام الاخوان کا بھی احساس ہوگا۔

بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ جماعت مصر الفتاۃ اور الاخوان المسلمون کی یہ دوری ختم ہو جائے اور وہ متحد ہو جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ احساس بہت ہی اچھا اور شریفانہ احساس ہے۔ اتحاد اور تعاون علی الخیر سے زیادہ بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے لیکن بعض باتیں ایسی ہیں جن کا فیصلہ صرف زمانہ ہی کر سکتا ہے۔ جماعت مصر الفتاۃ میں بعض ایسے ہیں جو الاخوان کو صرف "وعظ و تبلیغ کی ایک جماعت" سمجھتے ہیں اور ان کے پروگرام کی کسی دوسری شق کو تسلیم نہیں کرتے۔ الاخوان میں بعض ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مصر الفتاۃ کے بہت سے ارکان کو اسلام کے صحیح معنیٰ کا ابھی ابھی پوری طرح شعور ہی نہیں ہے اور ان معنی کی حقیقت ان کے دلوں میں ابھی اس طرح پختہ نہیں ہے کہ وہ اسلام کی خالص اور بے لوث دعوت کے علم بردار ہونے کے قابل ہو سکیں اب ہم زمانہ کو ہی اس بات کا فیصلہ صادر کرنے کے لیے چھوڑ دیں اور یقیناً زمانہ ہی کھرے کھوٹے کو پہچاننے کی بہتر ضمانت ہے۔

اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ الاخوان مصر الفتاۃ سے کوئی لڑائی مول لینا چاہتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے تو یہ چیز بہت خوشی کا باعث ہوگی کہ ہر ایک خیر و صلاح کے لیے کام کرنے والا متحد و متفق ہو جائے۔ اور نہ یہ بات ہے کہ الاخوان ایک قائم شدہ عمارت کو زمین کے برابر کر دینا چاہتے ہیں۔ بلکہ میدان عمل و جہاد

کی وسعتیں تو ہر ایک کے لیے کھلی ہوئی ہیں۔

یہ مصر الفتاۃ کے بارے میں الاخوان کا موقف ہے۔ جب تک مصر الفتاۃ کا اعلان ہوگا کہ وہ سیاسی پارٹی نہیں اور یہ کہ وہ اسلامی فکر اور اس کے مبادی کے لیے کام کرے گی، جس میں دراصل الاخوان کے مقاصد کی تائید و حمایت ہے، الاخوان اس کے بارے میں اسی موقف پر کاربند رہیں گے۔

اس سلسلے میں ایک آخری چیز اور رہ جاتی ہے۔ پوچھا جاتا ہے کہ شراب خانوں کے ڈھا دینے کے معاملہ میں مصر الفتاۃ کے رویہ کو الاخوان کس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ ایک جانی پہچانی حقیقت ہے کہ مصر کے کسی بھی غیرت مند شخص کی یہ تمنا نہیں ہوسکتی کہ اس سرزمین پر ایک بھی شراب خانہ رہے۔ الاخوان نے اس بارے میں بہت کچھ لکھا ہے کہ اس ڈھانے کی ذمہ داری ڈھانے والوں سے زیادہ حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہی مسلم عوام میں اس فساد کے پیدا کرنے کی باعث ہے۔ اس نے اس بات کا اندازہ نہیں کیا کہ اس کی غلط پالیسی کس طرح اسلام کے مقدس نام پر لوگوں کے جذبات کو بھڑکانے کی باعث ہوگی اور کس طرح اس تیز رو کا خود اس کو نشانہ بننا پڑے گا۔ پرانی کہاوت ہے "رونے والے کو چپ کرنے سے پہلے مارنے والے کی لکڑی تھام لو۔"

لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس تشدد کا یہ وقت نہیں تھا ضرورت

تھی کہ اس کے لیے زیادہ مناسب اور موزوں موقع منتخب کیا جاتا۔ ایسے طریقے اختیار کیے جاتے جن میں پوری پوری حکمت ملحوظ رہے۔ اور انہیں اس طرح عمل میں لایا جاتا کہ کم سے کم نقصان کا اندیشہ ہو اور مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید پڑے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ حکومت کو اسلامی فرائض و واجبات کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا جاتا اور اسے اس کا مقصد وجود یاد دلایا جاتا۔

اگرچہ گرفتار شدگان نے واقعہ کا اعتراف نہیں کیا، لیکن الاخوان نے وزیر انصاف کو بطور خاص مخاطب کرتے ہوئے انہیں اس طرف متوجہ کیا تھا ہے۔ کہ اس معاملہ کو خصوصی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے، جو اس کے شریفانہ محرک کے مناسب ہو اور ضرورت ہے کہ جلدی سے جلدی ملک کو ان اخلاقی مفاسد سے بچانے کے لیے قانون نافذ کر دیا جائے۔

الاخوان اور یورپی حکومتیں

اہم داخلی امور میں الاخوان کے موقف کی اس وضاحت کے بعد جو دراصل اسلام کے بتائے ہوئے حدود کی روشنی میں انہوں نے متعین کیا ہے بہتر ہوگا کہ میں آپ حضرات کے آگے کچھ خارجی امور کے بارے میں عرض کروں - اور یہ بتاؤں کہ یورپی حکومتوں کے بارے میں الاخوان کا کیا موقف ہے -

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، اسلام تمام مسلمانوں کو ایک امّت مانتا ہے جنہیں ایک عقیدے نے مجتمع کر دیا ہے - اور وہ خوشی و مسرّت اور غم و الم ہر حال میں ایک دوسرے کے شریک ہیں - ان میں سے کسی ایک پر بھی کوئی ظلم ہو، جماعت مسلمین کے کسی فرد پر بھی کوئی افتاد پڑے، تو وہ دراصل تمام مسلمانوں پر واقع ہوگی، اور اس مصیبت میں وہ سب کے سب برابر کے شریک ہوں گے -

الشرح الصغیر علیٰ اقرب المسالک میں ایک حکم فقہی میری نظر سے گزرا مسلمانوں کی موجودہ حالت کے پیش نظر ہنسی بھی آئی اور حقیقتِ حال نے رلایا بھی - مؤلّف کہتا ہے :-

مسئلة :- امراة مسلمة سبيت بالمشرق وجب على اهل

المغرب تخلیصها وافتداؤها ولو اتی ذلک علی جمیع اموال المسلمین - دو مسئلہ: اگر ایک مسلمان عورت مشرق میں قید ہو تو اہل مغرب پر فرض ہے کہ اس کو جزیہ دے کر چھڑائیں - خواہ اس سلسلے میں تمام مسلمانوں کا مال ہی کیوں نہ دینا پڑے ۔"

اسی طرح کی عبارت ہیں نے اس سے قبل مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں بھی دیکھی جو مذہب احناف کی کتاب البحر سے نقل کی گئی تھی - یہ احکام مسلمانوں کی موجودہ حالت کے پیش نظر مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہیں تو ساتھ ہی دل خون ہو جاتا ہے - کاش ان لکھنے والوں کی آنکھیں آج کے ان حالات کا مشاہدہ کر سکتیں کہ کوئی ایک نہیں، تمام کے تمام مسلمان، اللہ کے باغیوں اور باطل پرستوں کے ہاتھوں ہیں گرفتار ہیں -

اس تفصیل سے میرا منشا اس نتیجہ کو پیش کرنا ہے کہ اسلامی وطن ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے - اس کے کسی ایک حصہ پر بھی ظلم، اس کے کل پر ظلم متصور ہوگا - دوسری بات یہ کہ اسلام مسلمانوں کو ہمیشہ سربلند و باوقار دیکھنا چاہتا ہے - وہ ان پر ضروری قرار دیتا ہے کہ اپنے اپنے ملکوں میں وہ پیشوائی کے مقام پر فائز رہیں اور سردار بن کر جئیں - اتنا ہی نہیں بلکہ ان پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو حلقہ بگوش اسلام ہونے اور ان انوار سے فیضیاب ہونے کی طرف بلائیں جن سے وہ خود فیض یاب ہیں -

یہی اصل ہے کہ الاخوان المسلمون ہر اس حکومت کو ظالم شمار کرتے ہیں،

جس نے اسلامی ملکوں پر ظلم کیا ہو یا کر رہی ہو۔ ان دست درازیوں کو بزور روکنے کی ضرورت ہے۔ اور ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو روحانی اور مادی طور پر تیار کر کے اس جوئے کو اتار پھینکنے کی مل جل کر کوشش کریں۔

انگلستان، باوجود معاہدوں کے، مصر کے لیے ایک مستقل عذاب بنا ہؤا ہے۔ یہ سوچنا بے فائدہ ہے کہ معاہدہ مفید ہے یا مضر۔ اور نہ اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس معاہدہ کی مناسب ترمیم کی جائے یا اس کو اسی حالت میں نافذ کر دیا جائے۔ ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں، اس لیے کہ معاہدہ بہر حال مصر کے گلے میں ایک طوق، اور اس کے ہاتھوں میں ایک ہتھکڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی اس حیثیت میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ عمل اور استعداد کے بغیر اس قید و بند سے آزادی حاصل ہو سکے۔ یہاں تو قوت ہی کا زور ہے۔ اگر مصر آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اسے ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے، اور وقت کی قدر کرنا ہو گی۔

انگلستان، فلسطین کے ساتھ بھی، مسلسل نا انصافی کرتا جا رہا ہے، اور اہل فلسطین کے حقوق پر دست اندازی کر رہا ہے۔ فلسطین، اس اعتبار سے، کہ وہ اسلام کی مقدس سرزمین ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ نبیوں کی آخری آرامگاہ ہے، اور اس اعتبار سے کہ وہاں مسجد اقصیٰ ہے، جس کے گرد و پیش کو اللہ نے مبارک کیا ہے، ہر مسلمان کا وطن ہے۔ اس طرح فلسطین، انگریزوں پر مسلمانوں کا ایک قرض ہے۔ اور ان کے جذبات اس وقت تک تسکین پذیر

نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان کا حق پوری طرح انہیں نہ مل جائے۔ انگریز اس سے بخوبی واقف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس نے لندن کانفرنس کے موقع پر تمام ممالک اسلامیہ کے نمائندوں کو دعوت دی ہے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انگلستان کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ عربوں کے حقوق میں کسی قسم کی کمی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ وہ اپنے مکمل حقوق کے طلبگار ہیں۔ فلسطین میں اس کے نمائندوں نے جو ظالمانہ طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے، اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نا ممکن ہے، کہ عالمِ اسلام کی رائے عامّہ اس کے حق میں ہموار ہو سکے۔ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ ایک آزاد قوم کے بے گناہ افراد پر ظلم و ستم سے باز آ جائے۔

آج کے اس اجلاس سے ہم عالی جناب مفتی اعظم فلسطین کی خدمت میں الاخوان کا پُر خلوص ہدیۂ تحیات پیش کرتے ہیں۔ ہماری بہترین تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔ ان کی ذات گرامی صفات کو انشاء اللہ کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ اور معزز خاندان حسینی کے دوسرے افراد کے لیے بھی کوئی چیز ضرر کا باعث نہیں ہو سکتی۔ کچھ پروا نہیں کہ ان کے گھروں کی تلاشی لی جا رہی ہے، یا انہیں گرفتار کیا جا رہا ہے۔ یہ چیز تو ان کے شرف و عزت کو اور بڑھانے والی اور وقار و احترام میں اور اضافہ کرنے والی ہے۔

ممالک اسلامیہ کے وفود کو بھی اس موقع پر ہم یہ یاد دلانا چاہتے ہیں، کہ انگریز قوم بڑی مکار اور چالباز قوم ہے۔ اس کے داؤں میں وہ کسی

حال نہ آئیں۔ عربوں کے کامل حقوق کے لیے لڑتے رہیں، اور اس میں کسی قسم کی کمی بھی گوارا نہ کریں۔

اسی مناسبت سے میں الاخوان کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں، کہ جمعیتہ الشبان المسلمین کے دفتر میں تمام اسلامی جماعتوں اور انجمنوں کی ایک مشترک کمیٹی ترتیب دی گئی ہے ان تمام جماعتوں کا تعاون حاصل کر کے یہ کمیٹی سنہ ہجری کی ابتدا سے، فلسطین کی امداد کے لیے، ایک قومی ٹکٹ جاری کر رہی ہے۔ مختلف جماعتوں کے مختلف ٹکٹوں کے بجائے، یہی ایک ٹکٹ اب سب میں رائج ہوگا۔ اخوان کو اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے، کہ وہ ان ٹکٹوں کے جاری ہونے کے بعد، ان کی تقسیم میں پوری جدوجہد سے کام لیں۔ اور کمیٹی کے کام کی تقویت کا باعث ہوں۔ پرانے ٹکٹوں کا حساب صاف کر دیں، اور جو باقی رہ گئے ہیں انہیں مکتب میں پہنچا دیں تاکہ تلف کر دیا جائے۔

اس کے بعد ہمیں انگریز کے اس طرز عمل سے تعرض ہے، جو اس نے دوسرے اسلامی ممالک کے بارے میں اختیار کر رکھا ہے، اور ناجائز طور پر ان پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ ان ملکوں کے رہنے والوں پر اسلام کا یہ ایک فریضہ ہے کہ اپنے اپنے ملکوں کو اس ظلم سے نجات دلانے اور استبداد کے پنجے سے چھڑانے کے لیے جدوجہد کریں۔ ان کی اس جدوجہد میں ہم بھی ان کے ساتھ ہیں۔

فرانس کے مظالم کی فہرست تو بہت طویل ہے، اگرچہ وہ مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتا رہا ہے۔ ہمسایہ ملک سوریا کے ساتھ اس کا شرمناک طرزِ عمل ہمارے دلوں سے ابھی محو نہیں ہوا۔ مغرب اقصیٰ پر "ظہیر بربری" کے مظالم بھی بھلائے نہیں گئے۔ نہ اس کا یہ طرزِ عمل بھلایا جا سکتا ہے کہ مغرب اقصیٰ کے نوجوان محبانِ وطن مجاہدوں کو جیلوں کی تاریک دنیا میں پہنچا دیا گیا، یا انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ انشاء اللہ بہت جلد وہ دن آجائے گا کہ یہ سارا حساب صاف ہو جائے۔

تلک الایام نداولہا اور یہ دن، باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم

لہ ظہیر، حکومت مراکش کے فرمان کو کہتے ہیں۔ فرانسیسیوں نے وہاں کی حکومت سے ایک فرمان جاری کرایا تھا جس کے ذریعہ بربر باشندوں میں قومی جذبات کو ابھار کر انہیں عرب مسلمانوں سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس فرمان کو "ظہیر بربری" کہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بربر مسلمانوں کی تعلیم بربری زبان میں ہو۔ ان کے مقدمات پرانے قبائلی رسم و رواج کے مطابق فیصل ہوں۔ علماء اور عرب مدرسین کو ان کے خاص علاقوں میں جانے سے قانوناً روک دیا گیا تھا اور اس کے بالمقابل عیسائی مشنریوں کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اب تک کی جا رہی ہے۔ عربی اخبارات نے اس کے خلاف مسلسل اور سخت احتجاج کیا۔ محب الدین الخطیب کے مشہور اخبار "الفتح" کا ہر سال ایک خاص نمبر نکلا کرتا تھا جو ظہیر بربری نمبر کہلاتا تھا۔

بین الناس (آل عمران) ان کو لوگوں میں۔

اٹلی سے ہماری شکایات بھی فرانس سے کچھ کم نہیں۔ مسولینی اور اس کی حکومت ہمارے قریبی مسلمان اور عرب ملک طرابلس کی شخصیت کو فنا کرنے، اس کے باشندوں کی ضمیر کی آواز کو دبا کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنے، اور اس ملک سے عربیت اور اسلام کے ایک ایک اثر کو مٹانے کے درپے ہے۔ ایسی صورت میں، کہ اسے اٹلی کا ایک حصہ بنا لیا گیا ہے، یہ توقع ہی فضول ہے، کہ وہاں عربیت اور اسلام کا کوئی اثر رہ سکے۔ ان سب کے باوجود بھی مسولینی پوری ڈھٹائی کے ساتھ "حامئ اسلام" ہونے کا مدعی ہے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی دوستی کا طالب ہے۔

ایہا الاخوان المسلمون! یہ دردناک داستان ایسی ہے، کہ جس سے کلیجہ منہ کو آئے، اور دل خون کے آنسو روئے۔ بیان کروں تو اس کی کوئی انتہا نہیں۔ فی الحال اسی اجمال پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ آپ لوگ ان حقیقتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن صرف جاننا ہی کافی نہیں ہوگا، بلکہ چاہیے کہ لوگوں کے سامنے آپ انہیں کھول کھول کر رکھ دیں۔ اور انہیں بتائیں کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو آزادی و استقلال سے کم کسی درجہ پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ ان پر سیادت و پیشوائی اور دعوت و جہاد کا فریضہ عائد کرتا ہے۔ خواہ اس راہ میں انہیں جان و مال کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ اس لیے کہ ذلت و غلامی کی زندگی سے

موت بہتر ہے۔ اگر آپ نے یہ کیا اور نیتوں اور عزائم کو اللہ کے لیے خالص
کر لیا، تو انشاء اللہ کامیابی و کامرانی کا سہرا آپ کے سر بندھ کر
رہے گا۔

کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ان اللہ قوی عزیز۔

"اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول بیشک اللہ
زور آور ہے زبردست"

خاتمہ

ایہا الاخوان المسلمون! میں نے اب آپ کے سامنے آپ کی فکر کے خاص و عام دونوں پہلوؤں کا مختصر اور مکمل خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ مصر کے بعض موجودہ اجتماعی اور اقتصادی مسائل بھی آپ کے آگے رکھ دوں۔ جنہیں آپ چاہیں تو پورے عالم اسلام کے مسائل کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ امراض تمام اسلامی ممالک کے مشترک امراض ہیں۔ لیکن ایک تو وقت تنگ ہے۔ دوسرے ان سارے امراض کی ایک ہی اصل ہے اور وہ ہے "اخلاقی کمزوری، بلند ظرفی کا فقدان، اجتماعی مصلحتوں سے صرفِ نظر اور ذاتی مصلحت بینی، حقائق و واقعات سے بزدلانہ گریز، علاج و اصلاح سے پہلوتہی و لاپرواہی اور باہمی پھوٹ"۔

اس ایک مرض کی دوا بھی ایک ہی ہے اور وہ ہے "نفس کا علاج اور عوام کے اخلاق کی درستگی و بہتری"۔

قَدْ اَفْلَحَ مَن زَكّٰهَا	تحقیق مراد کو پہنچا جس نے نفس کو سنوار
وَقَدْ خَابَ مَن دَسّٰهَا۔	لیا، اور نامراد ہوا جس نے اس کو
(الشمس)	خاک میں ملا چھوڑا۔

ایہا الاخوان المسلمون! اس دین کو تمہارے اسلاف کے جہاد نے

قائم کیا ہے، اور چند مضبوط بنیادوں پر قائم کیا ہے۔ اور وہ ہیں: "اللہ پر ایمان، دنیائے فانی کے اسباب زینت سے بے نیازی، ہمیشہ رہنے والے گھر کی اہمیت و اولیت، حق کی راہ میں نفسی، جانی و مالی قربانی، اللہ کے راستے میں موت کی تمنا، اور اِن تمام امور میں قرآن کے بتائے ہوئے طریقے کی پیروی"

ان اصولوں پر اپنی تحریک کی بنیاد رکھو، نفوس کی اصلاح کرو، دعوت کو اپنا مرکز و محور بناؤ اور امت کو خیر و سلامتی کی راہ پر لے جاؤ۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری کوششوں کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔

ایہا الاخوان المسلمون! یاس و ناامیدی کو اپنے پاس بھی نہ آنے دو۔ ناامیدی ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ آج کی حقیقتیں کل کے خواب تھے، اور آج جنہیں خواب و خیال کی باتیں سمجھا جاتا ہے، وہ کل حقیقتیں ہو کر رہیں گی۔ ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ اور ابھی، باوجود فساد انگیز ماحول کے، مسلمان عوام کے دلوں میں سلامتی کے عناصر زندہ اور طاقت ور ہیں۔ کوئی کمزور زندگی بھر کمزور نہیں رہے گا، اور زور آور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے قوت و اقتدار کی گارنٹی نہیں لکھا لایا۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ۝ و	اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور کر دیں اُن کو

نمکن لھم فی الارض (القصص) قائم مقام اور جما دیں ان کو ملک ہیں۔

زمانے کی کوکھ سے بڑے تکلیف دہ حوادث و واقعات جنم لینے والے ہیں۔ اور ایسے ماحول ہیں عظیم تر کاموں کے مواقع پیدا ہو رہے ہیں۔ دنیا تمہاری دعوت کی منتظر ہے، جو کامیابی، ہدایت اور امن و سلامتی کی دعوت ہے۔ تاکہ اسے اپنے مسلسل کرب و آلام سے چھٹکارا حاصل ہو سکے۔ اب اقوام عالم کی قیادت کے منصب پر تم ہی فائز کیے جاؤ گے۔

وتلك الايام نداولها بين الناس۔ (آل عمران) اور یہ دن، باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں ہیں۔

وترجون من الله ما لا يرجون۔ (النسأ) اور تم کو اللہ سے امید ہے، جو ان کو نہیں۔

کمر ہمت باندھو، اور میدانِ عمل میں آگے بڑھو۔ اس لیے کہ پھر کل تمہیں اس کا موقع نہیں ملے گا، اور کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔ میں نے تم میں سے عجلت پسندوں کو کہا تھا کہ وہ کچھ توقف کریں اور حالات اور زمانہ کی رفتار کا انتظار کریں۔ اور اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والوں کو کہتا ہوں، کہ وہ اٹھیں اور قدم آگے بڑھائیں۔ اس لیے کہ جہاد کے ساتھ راحت و آرام کا تصور نہیں ہو سکتا۔

والذين جاهدوا فينا اور جنہوں نے محنت کی ہمارے

لنھدینھم سبلنا وان اللہ واسطے ہم سجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں
لمع المحسنین (العنکبوت) بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے۔
بس ہمیشہ آگے قدم بڑھائے جاؤ۔
واللہ اکبر وللہ الحمدُ

مکتبۂ اخ الاخوان محمد صدیق لاہور